بیادگار

عمدۃ المتاخرین حضرت مولانا محمد مصطفے مفتاحی

مفتاح الاوزان

ترتیب

مفتی عبدالرحمن القاسمی عظیم آبادی

زیر انتظام

المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیة



ناشر: الامۃ ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد، الہند

بیادگار

عمدة المتاخرین حضرت مولانا محمد مصطفٰے مفتاحی

مفتاح الاوزان

ترتیب

مفتی عبد الرحمن القاسمی عظیم آبادی

زیرانتظام

المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیة

ناشر

الامۃ ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد، الہند

(سن طباعت ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء)

نام کتاب	:	مفتاح الاوزان
مرتب	:	مفتی عبدالرحمن قاسمی عظیم آبادی
فون نمبر	:	9492042370
کمپوزنگ	:	مفتی ابوالقاسم ربانی 9573795646
تزئین وگرافکس	:	الامۃ گرافکس، حیدرآباد
صفحات	:	ایک سو بیس (۱۲۸)
تعداد	:	ایک ہزار
ہدیہ	:	۱۰۰ روپے
ناشر	:	الامۃ ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

ملنے کے پتے

☆ المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ 9573795646

☆ جامعہ عائشہ نسوان، مادنا پیٹ ☆ ہندوستان پیپر ایمپو ریم، مچھلی کمان، حیدرآباد

☆ اشرف المدارس، مرغیہ ٹولہ، مشرقی چمپارن، بہار ☆ دکن ٹریڈرس، نزد چارمینار

☆ سنابل بکڈپو، نزد چارمینار، مغل پورہ فائر انجن ☆ مکتبہ انیس دیوبند، یوپی

فہرست مضامین

مقدمہ: نقشہ جات

باب اول: اوزان کا بیان

باب دوم: پیمانوں کا بیان

باب سوم: مساحت کا بیان

باب چہارم: وہ مسائل جو وزن، کیل یا مساحت سے متعلق ہیں

خلاصہ کتاب

تقریظات وتاثرات

حضرت مولانا ومفتی عبدالودود صاحب مظاہری

صدر مفتی وشیخ الحدیث دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداومصلیا!

عزیزم مفتی عبدالرحمن قاسمی سلمہ الولی میرے ان شاگردوں میں سے ہیں جن کو مدت دراز سے اور بہت قریب سے جانتا ہوں، مفتی صاحب فن فقہ وافتاء میں سبیل السلام کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مصطفی مفتاحی (مرحوم) کے اور فنون حدیث میں مولانا زین العابدین اعظمی (مرحوم) کے خصوصی تربیت یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔ مولوی صاحب اطلبوا العلم من المھد الی اللحد پر پوری طرح عمل پیرا ہیں، موصوف نے متعارف شعبہ جات سے فراغت کے بعد دردر کی خاک چھانی ہے، اور جہاں کہیں کسی صاحب فن کو دیکھ پایا ہے فوراً اس کے سامنے طلب کا دامن پھیلا دیا ہے، اسلاف کی طرح نہ صرف اپنے اکابر، بلکہ اپنے ہم عصر واصاغر تک کے سامنے باضابطہ زانوے تلمذ تہہ کیا ہے، ہم لوگوں کو ان کے حسن طلب اور ذوق جستجو پر جتنا بھی فخر ہو کم ہے، اسی صحرانوردی کا صلہ ہے کہ اب تک جمیع کتب ستہ مع مؤطا مالک، مؤطا محمد اور طحاوی کا درس دے چکے ہیں۔

دور طالبعلمی سے ہی مولوی صاحب مختلف موضوعات پر لکھتے رہے ہیں، بہت سی چیزیں تو موصوف نے دوسروں کے لیے لکھی ہیں، بڑی خوشی ہے کہ اب اپنے نام سے لکھ رہے ہیں۔ مولوی صاحب کے علم میں وسعت، فکر میں گہرائی گیرائی اور مسلک ومشرب میں تصلب ہے۔ ایک خوبی موصوف کی یہ ہے کہ ان کو نہ صرف سلف صالحین کے اقوال پر بھرپور اطمینان

ہے، بلکہ دوسروں کو بھی مطمئن کر دینے کا ہنر ہے، زمانہ کے رو میں بہہ جانے یا تحقیق کے نام پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے سے سخت وحشت ہے؛ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تحریریں اعتدال سے بھرپور، افراط تفریط سے دور، اسلاف کے طرزِ تحریر کا آئینہ دار ہیں۔ ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں، آپ نہ صرف مفتاح الاوزان، بلکہ عزیز گرامی قدر کی ہر تحریر پورے اطمینان اور بھرپور اعتماد سے پڑھیں۔

اگر مولوی صاحب میرے شاگرد نہ ہوتے تو میں اس سے بھی زیادہ لکھتا، اب زیادہ لکھنے میں اپنی مدح سرائی کا خدشہ ہے؛ اس لیے قلم روکتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ موصوف کے علم وعمل اور جان مال میں برکت دے اور حاسدین کے حسد اور فتنہ پردازوں کی فتنہ پردازی سے امن وامان میں رکھے۔

قابل مبارکباد سمجھتا ہوں ''الامہ ٹرسٹ'' اور ''المرکز العلمی'' کو جس نے مفتی صاحب کی جمیع تالیفات کی طباعت اور نشر واشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، امت کو ان دونوں اداروں کا ہر طرح تعاون کرنا چاہیے۔

(شرح دستخط)

(مفتی) عبدالودود مظاہری (صاحب)

(۲۷ رمضان ۱۴۳۷ھ)

مولانا محمد عثمان اعظمی، دامت برکاتہم برادر حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ

شیخ الحدیث دارالعلوم، بانسکنڈی، آسام، پن کوڈ: ۷۸۸۱۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً! (۷ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۳ جون ۲۰۱۶ء بروز سوموار)

مولانا عبدالرحمن صاحب قاسمی مظاہری کی دو دو کتابیں ایک ''مفتاح الاوزان''، دوسری ''الرضی شرح الترمذی'' دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا، اس نوعمری میں مولوی صاحب نے جس سلیقہ اور ہوشمندی سے احادیث کی تشریح اوران کے رواۃ پر کلام کیا ہے وہ اس دور میں کم دیکھنے کوملتی ہے، اور جہاں کسی بزرگ کی فروگذاشت کولکھنا ہوا ہے، اس کو''قال بعض الناس'' کہہ کرلکھا ہے، تاکہ علمی امانت کاحق ادا ہونے کے ساتھ تادب مع الاکابر کی رعایت بھی ہوجائے؛ یہ سب کچھ ان کے استاذ اور شیخ حضرت مولانا زین الدین اعظمیؒ کی صحبت کی برکت اورانہیں کی حسن تربیت کا اثر ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے ترجمہ شیخ الہندؒ کے حواشی سے متعلق لکھا ہے کہ مولانا شبیراحمد عثمانیؒ نے باطل نظریات کوکسی کا نام لیے بغیر کچھ اس طرح رد کیا ہے کہ معاندین اسلام کی جڑیں خود بخود ھباء منثورا ہوجاتی ہیں۔

پوری پوری کتاب تو پڑھنے کا موقعہ کہاں ہے، لیکن جو حصہ بھی نظر سے گذرا خوب سے خوب تر پایا۔ دعا ہے کہ خداوند قدوس عزیز گرامی قدر کی ان کاوشوں کوقبول فرما کر دونوں جہاں میں مؤلف کوسرخروئی سے ہم کنار کرے اورامت کوبیش از بیش استفادہ کا موقعہ فراہم کرے، اورعزیز موصوف کو حاسدین کے حسد سے اورمفسدین کی نظربد سے بچائے۔ آمین یا رب العلمین!

(شرح دستخط)

(مولانا) محمد عثمان اعظمی

مولانا محمد عمر صاحب اسلام پورہ، استاد مدرسہ دار العلوم پورہ معروف

از خدام ربانی خانقاہ، پورہ معروف، مئو، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلیا و مسلما!

مولوی و مفتی عبدالرحمن قاسمی مظاہری عظیم آبادی سے بارہ سال قبل تعارف ہوا، جب سے تعلق بڑھتا ہی رہا، ۱۴۲۵ھ رمضان شریف میں حضرت مولانا محمد مصطفی مفتاحیؒ کی ایماء پر ربانی خانقاہ، پورہ معروف، حضرت اقدس حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ کے خدمت میں حاضر ہوے، حضرت سے بیعت ہونے کے بعد پابندی سے خانقاہ حاضر ہوتے رہے ہیں اور اب تک ہو رہے ہیں، اور امسال ۸/رمضان المبارک کو حضرت اعظمی کے خلیفہ و جانشین حضرت اقدس مولانا وقاری عبدالستار وڈالی (شمالی گجرات) کی طرف سے مولوی صاحب مجاز بیعت بھی بنائے گئے ہیں۔ اللہ تعالی مقام قرب میں ترقی عطا فرمائے۔

مفتی صاحب دارلعلوم دیوبند سے ۱۹۹۸ء میں فارغ ہوے ہیں، تین سال مولانا مفتاحی صاحب (مرحوم) کی نگرانی میں فتوی کی تربیت لینے کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ مولوی صاحب کو علم سے کبھی سیری نہیں ہوئی۔ رمضان شریف میں مولانا اعظمیؒ ان کی روحانی تربیت تو فرماتے ہی تھے، ساتھ ہی ساتھ علمی تربیت بھی فرماتے تھے، مگر مولوی صاحب کی پیاس اور بڑھ گئی بالآخر ۲۰۰۸ء میں حضرت شیخ کے ایماء پر سلسلہ تدریس موقوف کر کے باضابطہ داخلہ لے کر مظاہر علوم میں ایک سال خود حضرت شیخ سے ''فنون حدیث'' کی خصوصی تربیت لی۔ ہم جیسے کیا جانیں کہ مولوی صاحب کو حضرت شیخ نے کیا کیا دیا ہوگا اور مولوی صاحب نے کیا کیا لیا ہوگا، مختصراً اتنا عرض ہے کہ حضرت اقدس کو مولوی صاحب کے علم پر نہ صرف اعتماد بلکہ ناز تھا، ہر سال خانقاہ میں روزانہ ایک گھنٹہ مسائل کی تعلیم انہیں سے متعلق رہتی

تھی، بلکہ اپنے اہم مسائل میں اہل خانقاہ حضرت شیخ کے ایماء پر مولوی صاحب ہی سے رجوع کرتے تھے۔ مئو کے ایک بڑے ادارے میں مسند افتاء کو کسی ''ماہر فن'' سے خالی دیکھ کر مفتی صاحب کو حیدر آباد سے بلوانے کے لیے حضرت شیخ تاحیات کوشاں رہے، مگر ہائے محرومی ہم ابھی تک راہ ہی تک رہے ہیں، اور اہل حیدر آباد فیض اٹھا رہے ہیں۔ذلك من تقدير العزيز العليم۔

مولوی صاحب شروع سے ہی تحقیقی ذوق رکھتے تھے، اسی لیے رمضان میں بھی ضروری کاغذات ساتھ لے کر ہی خانقاہ آتے تھے، اور انہیں پوری اجازت ہوتی تھی کے اپنے معمولات کے ساتھ اپنی تحقیقات بھی جاری رکھیں، جب بھی آتے حضرت کو اپنی کوئی تصنیف سنا کر جاتے تھے اور حضرت اقدس شوق کے کانوں سے سنتے اور مولوی صاحب کے علم کا اعتراف کرتے۔ اس طرح مولوی صاحب اب تک بہت کچھ لکھ چکے ہیں؛ جیسے: رسائل گنگوہیؒ کی تخریج اور تسہیل، مفتاح النحو، خواتین کے مسائل اور ان کا حل، مفتاح الاوزان، الرضی شرح الترمذی وغیرہ۔ کچھ تو طبع بھی ہو چکی ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ باقی تالیفات کی طباعت واشاعت کا بھی غیب سے انتظام فرمائے۔

مولوی صاحب عام طور پر ان موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں، جو مشکل ہوتے ہیں، یا پھر ان کے مشائخ کا حکم ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب جو بنام ''مفتاح الاوزان'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ موضوع کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اور حضرت اقدس کی طرف سے مولوی صاحب کو حکم بھی تھا کہ ان چیزوں کو جمع کردیں؛ کیونکہ اس موضوع پر جو کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں، عوام تو عوام علماء کرام کو بھی ان سے پوری تشفی نہیں ہو پاتی ہے۔ اللہ کے فضل سے اس موضوع پر ایک جامع اور واضح تحقیق علماء اور اصحاب افتاء کے سامنے آرہی ہے، جو واقعی اسم بامسمی ہے اور ہر مفتی بلکہ ہر عالم کی ضرورت ہے۔ امید کہ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور شوق سے پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالی مولوی صاحب کی عمر عزیز، جان، مال، نسل اور تمام

علمی، عملی، دعوتی اورتربیتی خدمات میں ترقی اور برکت عطافرمائے اورشرف قبولیت سے نوازے۔اورموصوف جس ادارے میں پڑھاتے ہیں یا جن اداروں کی سرپرستی فرماتے ہیں انہیں قدرشناسی کی توفیق دے۔ایں دعااز من از جملہ جہاں آمین باد!

(شرح دستخط)

(مولانا)محمد عمر اسلامپورہ،ضلع مئو،مشرقی یوپی

۹/رمضان ۱۴۳۷ھ بمقام ربانی خانقاہ،پورہ معروف

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

الحمد لله الذی امر بالقسط وانزل المیزان أن لاتطغوا فی المیزان ولاتخسروا المیزان والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین، وعلی الہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعھم إلی یوم الدین، وبعد!

وجہ تالیف: شریعت کے بہت سے احکام ناپ تول سے متعلق ہیں، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اوزان اور پیمانوں کے مطابق بیان فرمایا ہے، پھر فقہاء نے ہر زمانے میں رائج الوقت اوزان اور پیمانوں سے ان کی مقدار متعین فرمائی ہے، ضرورت تھی کہ اہل ہند کے لئے ہندوستانی اوزان کے مطابق ان کی مقدار بیان کی جائے، چنانچہ علمائے دہلی نے ان اوزان کو تولہ ماشہ میں تبدیل فرما کر اس ذمہ داری کو انجام دیا؛ کیونکہ اس وقت تولہ ماشہ کا ہی رواج تھا۔

لیکن واقعہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نے تولہ ماشہ کے ذریعہ جو سونے چاندی کا نصاب متعین کیا تھا، وہ علمائے دہلی کے حساب سے بہت متفاوت تھا؛ یہ تفاوت عوام تو عوام بہت سے علماء کیلئے بھی خلجان کا باعث بنا رہتا تھا، اللہ جزائے خیر دے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو انہوں نے بہت عرق ریزی سے یہ خلاصہ کیا کہ دونوں حسابوں میں فرق کی اصل وجہ کیا ہے اور کونسی بات قرین قیاس ہے۔ آپکی یہ کاوش جواہر الفقہ کا جز بن کر بنام ''اوزان شرعیہ'' علماء کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ جب یہ تحقیقی رسالہ سامنے آیا تھا تو اس وقت کے اکابر اہل علم: مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالی نے خوب خوب سراہا تھا اور خاص وعام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔

مفتاح الاوزان کی جامعیت

لیکن جن لوگوں نے اس رسالہ (اوزان شرعیہ) کا مطالعہ کیا ہوگا، ان کو اس بات سے

انکار نہ ہوگا کہ تمام اوزان شرعیہ کا احاطہ مفتی شفیع صاحبؒ کے پیش نظر نہیں تھا؛ اس لئے بہت سے اوزان اور پیمانے جو کتاب وسنت اور کتب فقہ میں آئے ہیں، اس رسالہ میں ان کی وضاحت موجود نہیں، ان کی کتاب میں صرف: قیراط، دانق، درہم، مثقال، رطل، مد، من، استار، اوقیہ، صاع اور وسق کا بیان ہے۔ پھر آخر رسالہ میں مساحات کی مکمل تحقیق پیش کی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مفتی محمد شفیعؒ کے رسالہ سے اب تولہ ماشہ کا رواج نہ ہونے سے استفادہ اتنا آسان نہ رہا؛ اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کتاب وسنت اور کتب فقہ میں موجود تمام اوزان وپیمانوں کا احاطہ کیا جاتا۔ نیز ان تمام اوزان کو موجودہ نظام کے مطابق گرام، لیٹر اور میٹر میں لکھ دیا جاتا، جس کو میٹرک نظام کہتے ہیں۔

مولانا مہربان علی بڑوتویؒ، مولانا رشید احمد پاکستانیؒ صاحبِ احسن الفتاوی نے اور مولانا ابوالکلام مظاہری مدظلہ نے اس سلسلہ میں کافی تگ ودو فرمائی ہے، اور اگرچہ ان کی بحث وتحقیق سے تمام اوزان کو جدید اوزان میں بدلنے کا اصل الاصول ہاتھ آجاتا ہے، مگر ان سب کوششوں باوجود بہت سے اہل علم کا تاثر یہ ہے کہ یہ موضوع اب بھی عام قاری کی گرفت سے باہر ہے؛ اس لئے اس کو مزید منقح کر کے کچھ اس طرح لکھنے کی ضرورت ہے کہ عام قاری بھی سمجھ جائے اور طلبہ وعلماء بھی مطمئن ہوسکیں۔ زیر نظر رسالہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔

مفتاح الاوزان کی خصوصیات

اس رسالہ میں درج ذیل امور کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے:

۱ اقوال میں اصح ترین قول کو لیا گیا ہے، اکثر مقامات پر ائمہ ثلاثہ کے اقوال کی وضاحت بھی کردی گئی ہے۔

۲ حسابات کو ممکن حد تک آسان انداز میں لکھا گیا ہے، خلاصہ حساب اشاروں کی زبان میں نہیں، بلکہ عام انداز میں لکھا گیا ہے تاکہ خاص وعام پڑھ سکیں۔

۳ اس موضوع کے احاطہ کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

۴ اوزان، پیمانوں اور مساحتوں کو علاحدہ علاحدہ فصل میں بیان کیا گیا ہے۔

۵ سب سے پہلے ان اوزان کو رائج الوقت اوزان میں لکھا گیا ہے تاکہ عام قاری بھی پہلی نظر میں اپنا مقصود پالے، پھر معتبر کتب فقہ سے اس کی تفصیل لکھ کر یہ بتلایا گیا ہے کہ کس طرح موجودہ نظام میں تبدیل کیا گیا ہے تاکہ اہل علم بھی مطمئن ہوسکیں۔

۶ فقہاء حنفیہ وغیر حنفیہ نے بہت سے مقامات پر تحدیدی وزن لکھنے کے بجائے تقریبی وزن تحریر فرمایا ہے، پھر دوسری جگہ تحدیدی وزن لکھا ہے؛ اس سے بظاہر ان کی عبارتوں میں ایک تو تعارض معلوم ہوتا ہے، دوسرے سرسری نظر میں پتہ نہیں چل پاتا کہ کون سا وزن تحدیدی ہے اور کونسا تقریبی۔ اس رسالہ میں ایک تو اس قول کو لیا گیا ہے جس میں تحدیدی وزن کا بیان ہے، دوسرے جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے، آسان انداز میں تعارض کو حل بھی کردیا گیا ہے۔

۷ اوزان کا بیان مکمل ہوجانے کے بعد نصاب زکوۃ، مقدار صدقہ فطر، مہر فاطمی، مسافت سفر وغیرہ امور کو بیان کردیا گیا ہے، جن کی ضرورت اکثر وبیشتر پیش آتی رہتی ہے۔

ایک گذارش

ایک بات جو قابل عرض ہے، وہ یہ کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا رشید احمد پاکستانیؒ، مولانا مہربان علی بڑوتویؒ اور مولانا ابوالکلام صاحب کے رسالوں میں کتابت کی بہت سی اغلاط ہیں، اور مسئلہ حساب کی باریکیوں سے متعلق ہے؛ اس لئے وہ اغلاط عام قاری کی گرفت سے باہر ہیں، نیز بعض جگہ تقریبی وزن ذکر کیا گیا ہے؛ جبکہ بندہ نے ہر جگہ تحدیدی وزن لکھا ہے اور اس رسالہ کی کتابت خود سے کی ہے تاکہ ممکن حد تک کتابت کی اغلاط سے بچا جاسکے؛ اس لئے اگر رسالہ ہذا کے اندراجات سابق کتابوں سے بظاہر کچھ مختلف نظر آئیں تو تردید میں جلدی نہ فرمائیں، غور وفکر سے کام لیں، حساب کا جائزہ لیں، پھر جو بات آپ کی نگاہ میں راجح ہو اس پر عمل درآمد فرمائیں۔

راقم حروف کی اکثر کتابوں کی طرح یہ رسالہ بھی عمدۃ المتاخرین، صفوۃ السالکین حضرت مولانا محمد مصطفی مفتاحی صاحب (نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ) کی طرف منسوب ہے اور مفتاح الاوزان سے معنون ہے، حضرت والا کو اس نا کارہ سے بہت حسن ظن تھا۔ اللہ تعالی سے امید ہے کہ اپنے نیک بندوں کے حسن ظن کی بدولت میری ان حقیر خدمات کو قبول فرمائے گا۔

یہ کتاب اگر چہ اس موضوع پر لکھے گئے بہت سی کتابوں سے زیادہ منقح اور جامع معلوم ہوگی، مگر یہ اعتراف کئے بغیر چارہ کار نہیں کہ اگر ہمارے اکابر کی محنت نہ ہوتی تو اس نا کارہ کے بس کی بات نہ تھی کہ یہ خدمت انجام دے پاتا، اس لئے اس کاوش اور رسالہ کو اپنے اکابر کی طرف ہی منسوب کرتا ہے، اللہ تعالی اس حقیر خدمت کو اس نا کارہ کی طرف سے اس کے تمام اساتذہ ومشائخ، اور تمام اہل علم نیز تمام معاونین کے لئے صدقہ جاریہ کے طور پر قبول فرمائے، آمین یارب العالمین! إن أريد إلّا الإصلاح ما استطعت، وما توفيقي إلّا بالله، عليه توكلت، وإليه أنيب.

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقعہ پر اپنے مشفق اور تجربہ کار استاد حضرت مولانا تاج الدین قاسمی دامت برکاتہم کو بھول جاؤں کہ انہوں نے اپنے مدرسہ (اسلامیہ سمرا، مغربی چمپارن، بہار) میں عربی اول تا عربی سوم ہندی، انگریزی اور حساب کچھ اس ڈھنگ سے پڑھوادیا کہ اب کوئی حساب مشکل معلوم نہیں ہوتا، ان فنون کے دونوں اساتذہ ماسٹر نسیم صاحب بھوگاڑی اور ماسٹر محمد ظفیر الدین صاحب ادھکپریا کی شفقتیں بھی بھلانے کے لائق نہیں۔ اللہ تعالی ان سب حضرات کو اپنے دین کے لیے قبول فرمائے اور اپنے فضل کرم سے اس قدر مالا مال فرمائے کہ دنیا میں کسی کے دست نگر نہ رہیں۔ آمین!

(نا کارہ خلائق)

عبد الرحمن القاسمی عظیم آبادی

استاذ: التخصص فی الفقہ والافتاء دار العلوم الرحمانیہ

بروز سہ شنبہ ۱۴ جمادی اولی ۱۴۳۷ھ، ۲۳ فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفتاح الاوزان

الحمد للہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی شمس الھدایۃ والیقین سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم الی یوم الدین

ترتیب کتاب

یہ رسالہ ایک مقدمہ، تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں نقشہ کی شکل میں ان اوزان کا اصل الاصول لکھ دیا گیا ہے، جن سے کسی کو اختلاف نہیں۔ باب اول میں اوزان، باب دوم میں پیمانوں اور باب سوم میں مساحتوں کی پوری تفصیل ہے۔ باب چہارم میں ان فقہی مسائل کا بیان ہے جو اوزان سے متعلق ہیں؛ جیسے: صدقہ فطر کی مقدار، نصاب زکوۃ وغیرہ۔ خاتمہ میں چند صفحات میں اس رسالہ کا مکمل خلاصہ درج ہے۔

مقدمہ

اوزان، پیمانوں اور مساحتوں کے متفقہ اصول

ذیل میں ہم کچھ نقشے دے رہے ہیں، جن کی مدد سے پوری کتاب کا حساب سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور دوسرے بہت سے حسابوں کی تحقیق میں آسانی ہوجاتی ہے، ان نقشہ جات کے متعلق اتنا معلوم رہے کہ یہ اجماعی ہیں اور آئندہ ابواب میں ہر ایک کا تفصیلی بیان موجود ہے۔

نقشہ (۱)

قدیم ہندی اوزان

ایک رتی: ۱۲۱٫۵۰ ملی گرام (ایک سو ساڑھے اکیس ملی گرام)۔

ایک ماشہ: (۸ رتی): ۹۷۲ ملی گرام (نوسو بہتر ملی گرام)۔

ایک تولہ: (۱۲ ماشہ): ۱۱ گرام، ۶۶۴ ملی گرام۔

ایک چھٹانگ: (۵ تولہ): ۵۸ گرام، ۳۲۰ ملی گرام۔

ایک سیر: (۸۰ تولہ): ۹۳۳ گرام، ۱۲۰ ملی گرام۔

ایک من: (۴۰ سیر): ۳۷ کلو، ۳۲۴ گرام، ۸۰۰ ملی گرام۔

مولانا مہربان علی بڑوتویؒ اور مولانا ابوالکلام مظاہریؒ دونوں حضرات اس تفصیل پر متفق ہیں۔

نقشہ (۲)

عربی اوزان اور پیمانے

درہم: چودہ قیراط	**دینار:** (مثقال): بیس قیراط
درہم: ستر جو	**دینار:** (مثقال): سو جو
قیراط: پانچ جو	**صاع بغدادی:** آٹھ رطل
رطل عراقی: بیس استار	**صاع:** ایک سو ساٹھ استار
صاع بغدادی: چار مد	**مد:** دو رطل عراقی

استار: ساڑھے چار مثقال　　　**مد:** چالیس استار

فقہ حنفی کی کتابیں اس نقشہ پر متفق ہیں۔

نقشہ نمبر (۳)

میٹرک نظام: لیٹر، میٹر اور گرام

گرام

۱۰۰۰ میکروگرام: ۱ ملی گرام	۱۰ ملی گرام: ۱ سنٹی گرام
۱۰ سنٹی گرام: ۱ ڈیسی گرام	۱۰ ڈیسی گرام: ۱ گرام
۱۰۰۰ ملی گرام: ۱ گرام	۱۰ گرام: ۱ ڈیکا گرام
۱۰ ڈیکا گرام: ۱ ہیکٹو گرام	۱۰ ہیکٹو گرام: ۱ کلوگرام
۱۰۰۰ گرام: ۱ کلوگرام	۱۰۰ کلوگرام: ۱ کوئنٹل

لیٹر

۱۰۰۰ میکرو لیٹر: ۱ ملی لیٹر	۱۰ ملی لیٹر: ۱ سنٹی لیٹر
۱۰ سنٹی لیٹر: ۱ ڈیسی لیٹر	۱۰ ڈیسی لیٹر: ۱ لیٹر
۱۰۰۰ ملی لیٹر: ۱ لیٹر	۱۰ لیٹر: ۱ ڈیکا لیٹر
۱۰ ڈیکا لیٹر: ۱ ہیکٹو لیٹر	۱۰ ہیکٹو لیٹر: ۱ کلو لیٹر

میٹر

۱۰۰۰ میکرو میٹر: ۱ ملی میٹر	۱۰ ملی میٹر: ۱ سنٹی میٹر
۱۰ سنٹی میٹر: ۱ ڈیکا میٹر	۱۰ ڈیکا میٹر: ۱ میٹر

۱۰۰۰ ملی میٹر: ا میٹر ۱۰۰۰ میٹر: ا کلومیٹر

اس نقشہ سے معلوم ہوا کہ میکرو میٹر سے ملی میٹر ہزار گنا بڑا ہوتا ہے، اور ملی میٹر سے میٹر ہزار گنا بڑا ہوتا ہے، اسی طرح میٹر سے کلومیٹر ہزار گنا بڑا ہوتا ہے۔ اس نقشہ کی تفصیلات علم الحساب میں مسلم ہیں۔

نقشہ (۴)

مساحت؛ یعنی طول کی پیمائش

برید:	بارہ میل شرعی	**فرسخ:**	تین میل شرعی
میل شرعی:	چار ہزار ذراع کرباس	**ذراع کرباس:**	چھ قبضہ
ایک قبضہ:	چار انگشت چوڑا	**انگشت کی چوڑائی:**	چھ جو ملی ہوئی
جو کی چوڑائی:	چھ خچر کے بال ملے ہوئے	**ذراع مساحت:**	سات قبضہ

قبضہ مساحت: چار انگشت چوڑا مع انگوٹھا کھڑا

یہ تو مساحت کی وہ اصطلاحات ہیں، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ان کو رائج الوقت پیائشوں میں بدلنے کا جو عمل مفتی شفیع صاحبؒ نے فرمایا ہے، وہ لکھا جاتا ہے (انگریزی گز اور فٹ کے حساب سے):

میل شرعی:	دو ہزار گز انگریزی	**میل انگریزی:**	۱۷۶۰ گز
میل انگریزی:	آٹھ فرلانگ	**فرلانگ:**	۲۲۰ گز
ذراع کرباس:	اٹھارہ انچ	**ذراع کرباس:**	ڈیڑھ فٹ
ذراع کرباس:	نصف گز	**ذراع مساحت:**	بیالیس انچ
ذراع مساحت:	ساڑھے تین فٹ	**ذراع مساحت:**	۱ گز چھ انچ

ایک گز انگریزی: تین فٹ یا ۳۶ انچ

نقشہ (۵)

طول کی پیمائش میٹر سے

ایک انچ: ۲۵ ملی میٹر، ۴۰۰ مائیکرومیٹر۔

ایک گز انگریزی: ۹۱۴ ملی میٹر، ۴۰۰ مائیکرومیٹر۔

ذراع کرباس (نصف گز انگریزی): ۴۵۷ ملی میٹر، ۲۰۰ مائیکرومیٹر۔

میل شرعی: ۱ کلومیٹر، ۸۲۸، میٹر، ۸۰۰ ملی میٹر۔

میل انگریزی: ۱ کلومیٹر، ۶۰۹ میٹر، ۳۴۴ ملی میٹر۔

علم الحساب میں یہ تفصیل مسلم ہے۔

❁

باب اول

اوزان کا بیان

اوزان سے تول کے باٹ مراد ہیں؛ درہم، دینار، رطل، دانق، استار؛ یہ سب تول کے اوزان ہیں۔ مکائیل (پیمانوں) سے غلہ جات کو ناپنے کے برتن مراد ہیں؛ وسق، صاع، مد، من، کر؛ یہ سب مکاییل کے قبیل سے ہیں۔ مساحت سے زمین کی پیمائش کا حساب مراد ہوتا ہے؛ میل، برید، فرسخ، غلوة؛ یہ سب مساحت کی قبیل سے ہیں۔ ہم پہلے اوزان کو بیان کرتے ہیں۔

درہم شرعی

اوزان شرعیہ میں درہم و دینار سب سے اہم ہیں، باقی تمام اوزان یا مکائیل کے لئے یہی معیار ہیں۔ موجودہ نظام کے مطابق:

درہم: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکرو گرام (۳ گرام، ۶۱ ملی گرام، ۸۰۰ میکرو گرام)۔ درہم: تین ماشہ، ایک رتی اور رتی کا پانچواں حصہ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک درہم: چودہ قیراط کا اور قیراط: پانچ جو کا ہوتا ہے؛ اس طرح درہم: ستر جو کا ہوتا ہے؛ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

والدرهم أربعة عشرة قيراطاً، والقيراط خمس شعيرات، فيكون الدرهم الشرعي سبعين شعيرة (درمع شامی: ۲: ۲۹۶)

"درہم چودہ قیراط کا ہوتا ہے، اور قیراط پانچ جو کا؛ اس لئے درہم شرعی ستر جو کا ہوگا"۔

علامہ شامی نے اسی کو قول مشہور قرار دیا ہے: والمشهور عندنا ماذكره الشارح (ایضا)

علمائے دہلی نے ستر جو کو وزن کیا تو حساب ۳/ماشہ، ۱/رتی، ۱/۵ رتی آیا؛ یعنی: ۲۵/رتی اور رتی کا پانچواں حصہ۔ اور رتی: ایک سو ساڑھے اکیس ملی گرام کا ہوتا ہے؛ اس کو مذکورہ

تولہ ماشہ سے ضرب دیا تو درہم: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکرو گرام کا ہوا۔ یہ تحقیقی وزن ہوا، اس کو تقریبا تین گرام، باسٹھ ملی گرام بھی کہہ سکتے ہیں، مگر بڑے حساب میں تحقیقی وزن کو ہی لیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا درہم

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درہم ستر جو کا نہیں، بلکہ پچاس جو اور دو خمس جو کا ہوتا ہے: اس لئے گرام سے: دو گرام، دو سو چار ملی گرام، چار سو چھیانوے میکرو گرام ہوگا:

لا زكاة في الفضة في أقل من وزن مائتي درهم شرعية، ووزنه خمسون وخمسا حبة من متوسط الشعير (بلغة السالك، باب احكام زكوة العين)

''دو سو درہم سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں، اور درہم کا وزن متوسط جو سے پچاس جو اور دو خمس جو ہے''۔

درہم کا یہی وزن مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔

دینار شرعی، یا مثقال

دینار: چار گرام، تین سو چوہتر ملی گرام (۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام)۔

دینار: چھتیس رتی؛ یعنی: ساڑھے چار ماشہ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ایک دینار: بیس قیراط کا اور قیراط: پانچ جو کا ہوتا ہے؛ اس طرح دینار سو جو کا ہوتا ہے:

والدينار عشرون قيراطا، والدرهم اربعة عشرة قيراطا، والقيراط خمس شعيرات، فيكون الدرهم الشرعي سبعين شعيرة، والمثقال مأة شعيرة (درمختار مع شامی: ۲: ۲۹۶)

''دینار بیس قیراط کا ہوتا ہے اور درہم چودہ قیراط کا، اور قیراط پانچ جو کا؛ اس لئے درہم شرعی ستر جو کا اور مثقال (دینار) سو جو کا ہوگا''۔

اور علامہ شامی نے اس قول کی شرح میں فرمایا کہ یہ جو معتدل ہونے چاہئیں، جن کا

چھلکا اتارا نہ گیا ہو، اور اس کے دونوں طرف جو لمبا تنکا دم کی طرح ہوتا ہے، وہ کاٹ دیا گیا ہو۔
یہی مضمون بحر، شرح وقایہ، مجمع الانہر اور جامع الرموز میں بھی ہے۔ (جواہر الفقہ: ۳/ ۳۹۳)

علمائے دہلی نے سو جو کو وزن کیا تو حساب چھتیس رتی ہوا؛ یعنی: ساڑھے چار ماشہ۔ اور رتی: ایک سو ساڑھے اکیس ملی گرام کا ہوتا ہے؛ لہٰذا چھتیس رتی: چار گرام تین سو چوہتر ملی گرام کے برابر ہوا۔ امداد الاوزان میں کاتب نے چوہتر کے بجائے بہتر لکھ دیا ہے۔

واضح رہے کہ مثقال کا وزن وہی ہے جو دینار شرعی کا ہے، مثقال تو اس وزن کا نام ہے، خواہ سونے کی شکل میں ہو یا نہ ہو اور دینار جب ہوگا کہ اتنا وزن سونے کی شکل میں ہو۔

صاحب احسن الفتاوی کا درہم و دینار

نوٹ: درہم دینار کا یہ وزن علمائے دہلی کی تحقیق کے مطابق ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب احسن الفتاوی نے اپنی تمام حسابات کی بنیاد مولانا مخدوم سندی کی تحقیق پر رکھی ہے اور مولانا مخدوم کا درہم و دینار بڑا ہے؛ اس لیے احسن الفتاوی میں ہر جگہ درہم دینار کا وزن زیادہ دکھائی دے گا، مفتیان کرام کی نگاہ سے یہ نکتہ اوجھل نہ ہونا چاہیے۔

ائمہ ثلاثہ کا دینار

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دینار سو جو کا نہیں، بلکہ بہتر جو کا ہوتا ہے:

والمثقال لم يختلف في جاهلية ولا إسلام وهو اثنان وسبعون حبة وهي شعيرة معتدلة لم تقشر وقطع من طرفيها ما دق وطال

(أسنى المطالب، باب زكوة الذهب والفضة)

لہٰذا ائمہ ثلاثہ کا دینار تین گرام، ایک سو انچاس ملی گرام، دو سو اسی میکرو گرام کا ہوگا۔

اِستار

استار: انیس گرام، چھ سو تراسی ملی گرام (۱۹ گرام، ۶۸۳ ملی گرام)۔

استار: ایک تولہ، آٹھ ماشہ، دو رتی (۱ تولہ، ۸ ماشہ، ۲ رتی)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ استار کے بارے میں دو قول ہیں:

(الف) استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے۔ (ب) استار ساڑھے چھ درہم کا ہوتا ہے؛ چنانچہ بحر (باب صدقۃ الفطر) میں ہے:

والإستار بكسر الهمزة أربعة مثاقيل ونصف كذا في شرح الوقاية

استار ہمزہ پر زیر کے ساتھ ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے۔

یہی بات ھندیہ میں بھی ہے، نیز شامی درر البحار کے حوالے سے لکھا ہے:

والإستار بكسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف وبالمثاقيل قيل أربعة ونصف كذا في شرح درر البحار (باب صدقة الفطر)

''استار ساڑھے چھ درہم کا ہوتا ہے، اور مثقال سے بعض کہتے ہیں کہ ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے''۔

فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں ساڑھے چار مثقال کے بجائے ساڑھے چھ درہم کا قول ہی لکھا ہے؛ اس لئے بعض لوگ اسی کو قول اصح خیال کرتے ہیں، بالخصوص شامی نے جو دوسرے قول کو قیل سے بیان کیا ہے، اس سے اور بھی مغالطہ ہوجاتا ہے۔ مگر غور کیجئے تو پہلا وزن (ساڑھے چار مثقال) تحدیدی ہے، دوسرا وزن تقریبی ہے؛ دلیل اس کی یہ ہے کہ شامیؒ نے (باب صدقۃ الفطر میں) خود ہی لکھا ہے کہ

والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالإستار أربعون

''من دو سو ساٹھ درہم اور استار سے چالیس استار کا ہوتا ہے''

اب چالیس کو ساڑھے چھ سے ضرب دیتے ہیں تو من ۲۶۰ درہم کا ہوتا ہے اور رطل اس کا نصف ۱۳۰ درہم کا ہوتا ہے اور رطل کے بیان میں معلوم ہوگا کہ ۲۶۰ درہم: من کا تقریبی وزن ہے اور ۱۳۰ درہم رطل کا تقریبی وزن ہے۔ اس کے برخلاف چالیس کو ساڑھے چار سے ضرب دیں گے تو من ۱۸۰ دینار کا اور رطل اس کا نصف یعنی: ۹۰ دینار کا ہوتا ہے،

اور رطل کے بیان میں معلوم ہوگا کہ ۹۰ مثقال رطل کا تحدیدی وزن ہے۔

الحاصل جب معلوم ہو چکا کہ استار کا تحقیقی وزن ساڑھے چار مثقال (دینار) ہے، تو اب ایک مثقال کے تولہ اور گرام کو ساڑھے چار سے ضرب دیں گے تو وہی حساب آئے گا جو اوپر لکھا گیا۔ مولانا مہربان علی صاحب نے جو ۶۸۷ ملی گرام لکھا ہے، وہ تقریبی ہے۔

درہم دینار سے بڑے اوزان

نواۃ

نواۃ (۵ درہم): پندرہ گرام، تین سو نو ملی گرام (۱۵ گرام، ۳۰۹ ملی گرام)۔

نواۃ لغت میں کھجور کی گٹھلی کو کہتے ہیں، اہل عرب پانچ درہم کے وزن پر اس کا اطلاق کرتے ہیں؛ ابن منظور افریقی لسان العرب میں لکھتے ہیں:

النش عشرون درهما، وهو نصف أوقية؛ لأنهم يسمون الأربعين درهما أوقية، ويسمون العشرين نشاً، ويسمون الخمسة نواة (مادة: نوى)

’’نش بیس درہم کا ہوتا ہے، اور وہ نصف اوقیہ بھی ہے؛ کیونکہ اہل عرب چالیس درہم کو اوقیہ، بیس درہم کو نش اور پانچ درہم کو نواۃ کہتے ہیں‘‘۔

محدث بیہقی سنن کبری (۷/۷ ۲۳) میں اپنی سند سے نقل کرتے ہیں:

قال أبو عبيد قوله : نواة، يعني خمسة دراهم، قال وخمسة دراهم تسمى نواة ذهب كما تسمى الأربعون أوقية و كما تسمى العشرون نشا، قال أبو عبيد حدثنيه يحيى بن سعيد عن سفيان عن منصور عن مجاهد قال الأوقية: أربعون والنش عشرون والنواة خمسة.

(باب ما يجوز أن يكون مهرا)

’’ابوعبید کہتے ہیں کہ (حدیث میں) نواۃ سے پانچ درہم مراد ہیں، اور پانچ درہم کو نواۃ کہتے بھی ہیں، جس طرح چالیس درہم کو اوقیہ اور بیس درہم کو نش کہتے ہیں۔ ابوعبید

فرماتے ہیں کہ مجھ سے یحیی بن سعید (قطان) نے ان سے سفیان (ثوری) نے ان سے منصور نے ان سے حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اوقیہ چالیس درہم، نش بیس درہم اورنواۃ پانچ درہم کا ہوتا ہے''۔

بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ایک انصاری عورت سے ایک نواۃ سونے پر نکاح کیا تھا (دیکھیے: بخاری، نکاح، باب الصفرۃ للمتزوج، مسلم: باب الصداق)۔ ابوعبیدؒ اسی حدیث کی شرح فرمارہے ہیں۔ بہرحال درہم کے وزن کو پانچ سے ضرب دیں گے تو وہی وزن آئے گا جو اوپر لکھا گیا۔

نش

نش (۲۰ درہم): اکسٹھ گرام، دوسو چھتیس ملی گرام (۶۱ گرام، ۲۳۶ ملی گرام)۔

ابھی نواۃ کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ نش بیس درہم کا ہوتا ہے؛ نیز حدیث شریف میں آیا ہے:

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا قَالَتْ أَتَدْرِي مَا النَّشُّ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَهٰذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَزْوَاجِهِ (صحیح مسلم، باب الصداق)

''حضرت ابوسلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر کتنا تھا؟ فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ اور نش مہر دیا تھا، پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم کو معلوم ہے نش کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: آدھا اوقیہ (یعنی بیس درہم) اس طرح کل مہر پانچ سو درہم ہوا؛ یہی ازواج مطہرات کا مہر تھا''۔

درہم کے وزن کو بیس سے ضرب دیں تو وہی حساب آتا ہے، جو اوپر مذکور ہوا۔

اُوقِیَّہ

اُوقیہ(۴۰ درہم): ایک سو بائیس گرام، چار سو بہتر ملی گرام (۱۲۲ گرام، ۴۷۲ ملی گرام)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے مہر کے بیان میں جو اوقیہ حدیث میں آیا ہے، یا پانچ اوقیہ میں زکوۃ فرض ہونے کی حدیث ہے، وہ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے:

لحدیث مسلم: لیس فیما دون خمس أواق من الورق صدقة، والأوقية أربعون درهما كما رواه الدارقطني (بحر، باب زكوة المال)

''مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں، اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ دارقطنی نے روایت کیا ہے''۔

اسی طرح طحاوی (باب المقدار الذی یحرم الصدقة) کی ایک روایت میں ہے:

عن رجل من بني أسد قال: { أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعته يقول لرجل يسأل من سأل منكم وعنده أوقية أو عدلها، فقد سأل إلحافا } والأوقية يومئذ أربعون درهما

''بنو اسد قبیلہ کے ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو سنا کہ آپ ایک سائل سے کہہ رہے ہیں: جو شخص سوال کرے، حالاں کہ اس کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے برابر مال ہو، تو اس نے چمٹ کر سوال کیا (یعنی چمٹ کر سوال کرنے کی وعید میں داخل ہے) راوی کہتے ہیں کہ ان وقت اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا''۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ زمان رسالت مآب میں اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا تو اوقیہ کا وزن حاصل کرنے کے لیے درہم کے وزن کو چالیس سے ضرب دیں گے، پس وہی حساب آئے گا جو اوپر لکھا گیا۔

رطل

رطل: تین سو ترانوے گرام، چھ سو ساٹھ ملی گرام۔(۳۹۳ گرام،٦٦٠ ملی گرام)۔**رطل:** تینتیس تولہ،نوماشہ(۳۳ تولہ،۹ماشہ)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مداور صاع کے وزن میں بالاتفاق رطل سے رطل بغدادی مراد ہوتا ہے، ہاں رطل بغدادی کتنے درہم کا ہوتا ہے، اس کے بارے میں نہ صرف حنفیہ بلکہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں تین اقوال ملتے ہیں:

رطل: ایک سوتیس درہم کا ہوتا ہے۔(۱۳۰)

رطل: ایک سواٹھائیس درہم کا ہوتا ہے۔(۱۲۸)

رطل: ایک سواٹھائیس درہم، اور چار بٹہ سات درہم کا ہوتا ہے۔(۱۲۸،۴/۷)

علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر(۲۹۶/۲) میں صرف پہلا قول لکھا ہے: والرطل زنة مائة وثلاثين درهما (رطل ایک تیس درہم کا ہوتا ہے) اسی کو اکثر حنفیہ نے نقل کیا ہے، لیکن علامہ شلبیؒ نے حاشیہ تبیین الحقائق میں تینوں اقوال لکھ کر محقق حنفیہ ابوحنیفہ ثانی امیر کاتب اتقانیؒ کے حوالے سے قول راجح کی تعیین بھی کی ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

قال فی الغاية والرطل البغدادی مائة وثمانية وعشرون درهما وأربعة أسباع درهم وقيل مائة وثمانية وعشرون وقيل مائة وثلاثون درهما قال النووی: الأول أصح (باب صدقة الفطر)

”غایۃ البیان میں (اتقانی نے) کہا ہے کہ رطل بغدادی ایک سواٹھائیس درہم اور چار بٹہ سات درہم (درہم کے سات حصوں میں سے چار حصوں کا) نام ہے، بعض صرف ۱۲۸ درہم، اور بعض ۱۳۰ درہم کہتے ہیں: نووی کہتے ہیں کہ پہلا قول اصح ہے“۔

اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے یہاں بھی یہ تینوں اقوال ملتے ہیں۔مگر سب کے یہاں اصح وہی ہے، جس کو امام نووی شافعیؒ نے اصح کہا ہے، اور حنفی فقیہ امیر کاتب اتقانی صاحب غایۃ

البیان نے جس کی تائید کی ہے۔

یہ تو اس کا بیان تھا کہ رطل کتنے درہم کا ہوتا۔ یہ بات بھی مختلف فیہ ہے کہ رطل کتنے مثقال کا ہوتا ہے؛ یہاں اکثر حضرات نوے مثقال لکھتے ہیں، جن میں علامہ شامیؒ بھی ہیں، تقریرات رافعی میں اکیانوے مثقال لکھا ہے۔

ابن قدامہ حنبلی نے شرح کبیر (۵۵۶/۲) میں جو تفصیل لکھی ہے اس سے اختلاف کی پوری حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے؛ فرماتے ہیں:

والرطل العراقی مائة وثمانية وعشرون درهما وأربعة أسباع درهم، ووزنه بالمثاقيل تسعون، ثم زيد فی الرطل مثقال واحد، وهو درهم وثلاثة أسباع، فصار إحدا وتسعين مثقالا، وكمل وزنه بالدراهم مائة وثلاثون درهما، والاعتبار به قبل الزيادة

”رطل عراقی ۱۲۸ درہم اور چار سبع (چار بٹہ سات) درہم کا ہوتا ہے اور مثقال سے اس کا وزن نوے مثقال ہوتا ہے، پھر رطل میں (حساب میں آسانی کے لیے) ایک مثقال کا اضافہ کیا گیا اور ایک مثقال ایک درہم اور تین سبع (تین بٹہ سات) درہم کا ہوتا ہے؛ اس طرح رطل اکیانوے مثقال کا بن گیا اور درہم سے اس کا وزن ایک سو تیس مکمل ہوگیا؛ لیکن (شرعی حسابات) میں اس رطل کا اعتبار ہے جو اضافہ سے پہلے تھا“۔

گویا جس نے رطل کو ۱۲۸ درہم کہا اس نے کسر حذف کر دیا، جس نے تیس کہا اس نے وہ وزن بتایا جو حساب میں آسانی کے لئے زیادہ کیا گیا تھا، لہذا یہ دونوں وزن تقریبی ہیں، تحقیقی وزن وہی ہے، جس کو نووی وغیرہ نے اصح کہا ہے۔

اسی طرح جس نے رطل کو نوے مثقال کہا، اس نے اصل وزن کو لیا، اور جس نے اکیانوے کہا، اس نے اضافہ شدہ وزن لیا جو تقریبی ہے۔

تقریرات رافعی میں شامی پر نقد کرتے ہوئے رطل کو اکانوے مثقال لکھا ہے، اس سے صاحب احسن الفتاوی کو وہم ہوا اور انہوں نے اپنے رسالہ ”بسط الباع لتحقیق الصاع“ میں

اسی کو تحقیقی وزن خیال کرلیا؛ حالاں حقیقت اس کے برعکس ہے۔

اب درہم کے وزن کو ۱۲۸، ۷ر۴ سے ضرب دیتے ہیں یا دینار کے وزن کو ۹۰ سے ضرب دیتے ہیں تو وہی حساب آتا ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

مفتی شفیع صاحبؒ نے ۱۳۰ درہم کے اعتبار سے تولہ نکالا ہے؛ اس لئے ۳۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ ہوگیا ہے، اور مولانا مہربان علیؒ نے اسی کو گرام میں تبدیل کیا ہے؛ اس لیے ان کا وزن ۳۹۷ گرام سے بڑھ گیا ہے؛ حالاں کہ ۱۳۰ درہم: رطل کا تقریبی وزن ہے، تحدیدی نہیں۔ اگر رطل کا تحقیقی وزن لیں تو درہم اور دینار دونوں سے رطل کا گرام اور تولہ ایک ہی آئے گا، سرمو کے برابر بھی فرق نہ ہوگا؛ جیسا کہ مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا ابوالکلام مظاہری صاحب نے بھی وضاحت فرمائی ہے۔

ایک اصول یاد رکھنا چاہیے کہ فقہاء کے یہاں وہی درہم و دینار معتبر ہیں، جن میں وزن سبعہ کا تناسب ہو؛ یعنی دس درہم سات دینار کے برابر ہوجائے۔ اگر کسی حساب میں یہ تناسب باقی نہ رہے، تو کسے باشد اس کا حساب غلط مانا جائے گا۔ اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ رطل، مد اور صاع کو خواہ درہم سے تولیں یا دینار سے دونوں ہی صورتوں میں حساب ایک ہی آنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ رطل کے بیان میں جس نے بھی درہم و دینار کے حساب میں تفاوت لکھا ہے، پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس کا تسامح ہے۔

واضح رہے کہ صاحب ہدایہ اور ابن ہمام وغیرہ نے باب الربا میں لکھا ہے کہ رطل کا تعلق اوزان سے ہے، پیمانوں سے نہیں (فتح القدیر: ۷ر۱۷) اس لئے راقم نے رطل کو اوزان کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا رطل

تفصیل بالا سے معلوم ہوچکا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی رطل نوے مثقال کا ہی ہے؛ لیکن چونکہ ان کا دینار چھوٹا ہے؛ اس لئے رطل بھی چھوٹا ہے؛ یعنی صرف: دوسوتراسی گرام، چارسوپینتیس ملی گرام، دوسو میکروگرام کا (۲۸۳ گرام، ۴۳۵ ملی گرام، ۲۰۰ میکروگرام)۔

من (عربی)

من: سات سوستاسی گرام، تین سوبیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)۔

من: سڑسٹھ تولہ، چھ ماشہ (۶۷ تولہ، ۶ ماشہ)۔

من بھی عربی اوزان میں سے ہے؛ یہ رطل کا دوگنا ہوتا ہے: چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

والرطل نصف من، والمن بالدراهم مائتان وستون درهما (۲: ۳۶۵)

''رطل من کا نصف ہوتا ہے، اور من درہم سے دوسوساٹھ درہم کا ہوتا ہے''

اس عبارت سے بس اتنا بتانا مقصود ہے کہ رطل نصف من کا ہوتا ہے؛ یعنی من دو رطل کے برابر ہوتا ہے، اسمیں کسی کا اختلاف نہیں، لیکن شامی کی عبارت میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ۱۳۰ درہم رطل کا اور ۲۶۰ درہم من کا تقریبی وزن ہے، رطل کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ رطل کا تحقیقی وزن ۱۲۸، ۴/۷ ہے، اس حساب سے من کا تحقیقی وزن ۲۵۷، ۱/۷ (دوستاون اور ایک بٹہ سات درہم) ہوگا، اور جب اس کو درہم کے گرام سے ضرب دیں گے تو حساب ہوگا: (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام) اور یہ وہی حساب ہو جو اوپر لکھا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ من کو ۲۶۰ درہم کہنا تقریبی ہے، تحقیقی نہیں۔ اور مفتی شفیع صاحب نیز مولانا مہربان علی صاحبؒ نے تولہ گرام اسی تقریبی وزن پر نکالا ہے، تحقیقی وزن پر نہیں؛ اسی لیے ان کا مجموعہ حساب اس ناکارہ کے مجموعہ سے کچھ زائد ہے۔

درہم دینار سے چھوٹے اوزان

قیراط

قیراط: دوسو اٹھارہ ملی گرام، سات سو میکروگرام

قیراط: ایک رتی، چار بٹہ پانچ رتی (۱رتی، ۴/۵رتی)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ درہم ودینار کی بحث میں معلوم ہو چکا کہ دینار بیس قیراط اور درہم چودہ قیراط کا ہوتا ہے، گویا قیراط درہم کا چودھواں حصہ اور دینار کا بیسواں حصہ ہوا، اب اگر دینار کے وزن کو بیس سے یا درہم کے وزن کو چودہ سے تقسیم کریں گے تو قیراط کا وزن نکلے گا؛ یعنی: دوسو اٹھارہ ملی گرام، سات سو میکروگرام جس کو تقریبا: دوسو انیس ملی گرام بھی کہہ سکتے ہیں۔

''الاوزان المحمودۃ'' میں سات میکروملی گرام بتایا ہے۔ اس میں دو غلطیاں ہیں: (الف) سات سو کو سات لکھا ہے؛ کیونکہ کلکولیٹر اعشاریہ کے حساب میں کبھی ایک کبھی دو صفر چھوڑ دیتا ہے، اسی لئے مولانا نے اس کو سات سمجھ لیا۔ (ب) میکروگرام کو میکروملی گرام لکھا ہے۔

اگر تولہ کا حساب نکالیں تو درہم: پچیس رتی اور رتی کا پانچواں حصہ ہوتا ہے، اس کو چودہ سے تقسیم کریں گے تو قیراط: ایک رتی، پھر رتی کا چار خمس ہوگا؛ یعنی: پونے دو رتی سے کچھ زیادہ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اسی کو پونے دو رتی لکھا ہے جو تقریبی وزن ہے، اسی کو مولانا مہربان علیؒ اور مفتی عارف باللہ صاحب نے گرام میں تبدیل کر دیا تو حساب آیا: ۲۱۳ ملی گرام، ظاہر ہے یہ بھی تقریبی وزن ہے، تحدیدی نہیں، تحدیدی وزن وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

دانق

دانق: پانچ سو دس ملی گرام، تین سو میکروگرام (۵۱۰ ملی گرام، ۳۰۰ میکروگرام)۔

دانق: چار رتی اور رتی کا پانچواں حصہ۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ دانق: درہم کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں؛ چنانچہ طحطاوی علی المراقی میں ہے:

وفی المصباح الدانق معرب وھو سدس الدرھم ... وکسر النون أفصح من فتحھا (طحطاوی ۱: ۲۴۹)

''مصباح میں ہے کہ دانق معرّب ہے، یہ درہم کا سدس ہوتا ہے، نون پر زیر پڑھنا

زبر پڑھنے سے افصح ہے‘‘۔

اب اگر درہم کے وزن کو چھ سے تقسیم کریں گے تو وہی حساب آئے گا جو اوپر مذکور ہوا۔ یہاں بھی ’’الاوزان المحمودہ‘‘ میں تین میکرو ملی گرام لکھا ہے؛ جبکہ صحیح تین سو میکرو گرام ہے۔کلکولیٹر کی اصطلاح سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے تین لکھا ہے۔حساب کی اس جیسی بہت سی غلطیاں ’’الاوزان المحمودہ‘‘ میں ہیں، آئندہ میں اس کا بیان نہیں کروں گا، قارئین کو دلچسپی ہو تو خود ملاحظہ فرمالیں گے۔

جب یہ طئے ہے کہ دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے اور درہم ہوتا ہے: پچیس رتی اور رتی کے خمس کا، تو جب اس کو چھ سے ضرب دیں گے تو جواب: چار رتی، اور رتی کا خمس ہوگا اور یہی قیراط کا تحدیدی وزن ہوگا، لہذا بحر الجواہر میں جو دانق کو چار قیراط لکھا ہے اور اسی سے مفتی شفیع صاحبؒ نے سات رتی لکھا ہے، وہ تقریبی وزن ہے، اور اسی کو مولانا مہربان علیؒ نے گرام میں تبدیل کر کے: ۸۵۰ ملی گرام لکھا ہے، وہ بھی تقریبی ہے، تحدیدی نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ تقریبی سے بھی بہت دور ہے۔بڑے حساب میں کافی فرق پڑ جائے گا؛ غور کیجیے کہ اگر دانق کو سات رتی کا مانیں تو درہم اس کا چھ گنا بڑا بیالیس (۴۲) رتی کا ماننا ہوگا؛ حالاں کہ درہم مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے نزدیک بھی صرف پچیس رتی اور خمس رتی کا ہے؛ اس لیے وہی حساب لینا چاہیے جو اس ناکارہ نے شروع میں لکھا ہے؛ کیونکہ تحدیدی وزن وہی ہے۔

حبہ شعیر اور قمحہ

ایک جو: تینتالیس ملی گرام، سات سو چالیس میکرو گرام (۴۳ ملی گرام، ۷۴۰ میکرو گرام)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ’’حبہ شعیر‘‘ جو کے دانے کو کہتے ہیں اور معلوم ہو چکا کہ درہم ستر جو کا ہوتا ہے اور قمحہ گیہوں کے دانے کو کہتے ہیں اور علامہ شامی نے بعض علماء کے حوالے سے

گیہوں کے متوسط قسم کے دانے کو جو کے متوسط دانے کے برابر لکھا ہے:

لأنا اختبرنا الشعيرة المتوسطة مع القمحه المتوسطة فوجدناهما متساويتين (شامی: ۲:۲۹۶)

''کیونکہ ہم نے متوسط جو کو متوسط گندم کے دانے کے ساتھ موازنہ کیا تو دونوں کو برابر پایا''۔

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ایک درہم ستر جو کا ہوتا ہے؛ لہذا جب درہم کے وزن کو ستر سے تقسیم کریں گے تو جو کا وہی وزن ہوگا جو اوپر لکھا گیا۔

قفلہ

قفلہ: دو گرام، سات سو ننانوے ملی گرام، تین سو ساٹھ میکرو گرام۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی زمانہ میں مکہ اور مدینہ میں جو درہم رائج تھا، وہ چونسٹھ جو کا تھا؛ یعنی: درہم شرعی سے چھ جو کم، اسی درہم کو قفلہ (بروزن ضربہ) کا نام دیا گیا تھا:

قال بعض المحشين: الدرهم الان المعروفه بمكة والمدينة وأرض الحجاز، وهو المسمىٰ بالقفلة على وزن تمرة ... وهو ينقص عن الدرهم الشرعي بست شعيرات (شامی: ۲: ۲۹۶)

جو کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ ایک جو تینتالیس ملی گرام، تین سو ساٹھ میکرو گرام کا ہوتا ہے، تو اس کو چونسٹھ سے ضرب دینے پر وہی حساب آتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

طسوج

اس کا حساب بہت گنجلک ہے، سجاوندیؒ نے لکھا ہے:

والدانق اربع طسوجات، والطسوج حبتان، والحبة شعيرتان

''دانق چار طسوج کا اور طسوج دو حبہ کا اور حبہ دو جو کا ہوتا ہے''۔

(فتح القدیر: ۲/۲۱۱)

دانق چار طسوج کا ہوتا ہے؛ لہذا دانق کے وزن کو چار سے تقسیم کریں گے تو طسوج کا وزن ہوگا: ایک سو ستائیس ملی گرام، پانچ سو پچھتر میکروگرام۔ پھر آگے لکھا ہے کہ طسوج دو حبہ کا اور ایک حبہ دو جو کا؛ لہذا ایک طسوج چار جو کا ہوگا، اب جو کے وزن کو چار سے ضرب دیں گے تو حساب آئے گا: ایک سو چوہتر ملی گرام، نو سو ساٹھ میکروگرام۔ ظاہر ہے دونوں حسابوں میں بہت تفاوت ہے۔

لیکن مفتی شفیع صاحبؒ نے سجاوندی کے برخلاف طسوج دو جو کا بتلایا ہے اور اس کو تقریباً پون رتی لکھا ہے اور اسی کو مولانا مہربان علیؒ نے گرام میں تبدیل کیا ہے، یہ بات اس ناکارہ کی سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے سجاوندی سے کس بنیاد پر اختلاف کیا ہے۔ بہر حال دو جو کے مطابق جو کے وزن کو دو سے ضرب دیں گے تو اس کا وزن ہوگا: ستاسی ملی گرام، چار سو اسی میکروگرام۔ یہ پہلے دونوں حسابوں سے اور بھی زیادہ متفاوت ہے۔

اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ طسوج سجاوندی کے کلام میں آیا ہے اور سجاوندی نے ہی طسوج کی وزن دانق اور حبہ بتلایا ہے اور حبہ کو دو جو کا مانا ہے اور ہم لوگ متعارف دانق اور جو کے دانے سی اس کی تشریح کر رہے ہیں؛ اس لئے اشکال واقع ہو رہا ہے، اگر ہم ہو بہو ان کا حساب تسلیم کرلیں اور اس کو ان کی زمانے کی اصطلاح قرار دیں تو کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ شرعی حسابوں میں اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں؛ اس لیے اس بارے میں زیادہ تگ دو کی ضرورت نہیں۔

قنطار

قرآن میں قنطار کا لفظ آیا ہے کہ عورتوں کو اگر مہر میں قنطار بھی دیدیا ہو تو اسے واپس نہ لینا چاہیے (وإن آتیتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منهن شيئا)۔ اسی طرح بعض اہل کتاب کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ اگر ان کو قنطار بھی بطور امانت دیدیا جائے تب بھی ان کا ایمان ڈانواڈول نہ ہوگا (وَمِنۡ أَهۡلِ الۡكِتَابِ مَنۡ إِنۡ تَأۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيۡكَ)۔ اسی

طرح فضائل کی حدیث میں بھی قنطار کا لفظ آیا ہے۔اب مفسرین کا اختلاف ہوا ہے کہ قنطار کی مقدار کیا ہے؛ ابو عبید کہتے ہیں کہ اہل عرب میں اس کا وزن نامعلوم ہے، ثعلب کہتے ہیں کہ اکثر اہل عرب اس کو چار ہزار دینار مانتے ہیں، مسند احمد کی ایک روایت میں قنطار کو بارہ ہزار اوقیہ بتلایا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قنطار سے مال کثیر مراد ہے، کوئی خاص مقدار مراد نہیں، اس لئے اس کا وزن معلوم کرنے کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ
(ایک نظر میں)

یہ ادارہ فی الحال الامۃ ٹرسٹ کے تحت شعبہ تحقیق کے طور پر کام کرتا ہے۔ آئندہ وسائل ہونے پر تخصص کے شعبے بھی اسی کے تحت چلائے جائیں گے۔ اس ادارے کے پاس وسائل بہت کم ہیں، عاریت کے مکان میں لائبریری کا نظم کیا گیا ہے۔ ایک لائبریری، ایک کانفرنس ہال اور آئندہ **تخصص فی الفقہ والافتاء** اور **تخصص فی علوم الحدیث** کے لیے کم از چار درس گاہوں کی ضرورت ہے۔ ٹرست امت کے دردمند حضرات سے توجہ کا طلبگار ہے۔ اس کسمپرسی کے باوجود گذشتہ اوراق میں جن اہم فنی کتب ورسائل کا تذکرہ آیا ہے، سب اسی ادارے کے تحت تیار ہو رہے ہیں۔

باب دوم

پیمانوں کا بیان

غلہ جات کے پیمانہ کو مکیال کہتے ہیں، اس کی جمع مکائیل آتی ہے۔

درج ذیل پیمانوں کے نام کتاب وسنت یا کتب فقہ میں آئے ہیں: صاع، مد، عرق، فرق، قدح، قربہ، قسط، قفیز، قلہ، کر، کیلجہ، وسق، مکوک، مختوم، مدی، اردب، ویبہ۔ مد اور صاع چونکہ سب پیمانوں کا مرجع ہیں؛ اس لیے پہلے اسی کو بیان کرتے ہیں۔

مُد اور صاع

مد: سات سوستاسی گرام، تین سوبیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)۔

صاع: تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دوسواسی ملی گرام (۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام)۔ **نصف صاع:** ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام (۱ کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام)۔

تولہ سے ایک مد: ۶۷ تولہ، ۶ ماشہ۔ ایک صاع: ۲۷۰ تولہ (دوسوستر تولہ)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ایک صاع: چار مد کا ہوتا ہے، اور ایک مد دو رطل کا؛ چنانچہ علامہ شامی (ردالمحتار، باب صدقۃ الفطر) میں لکھتے ہیں:

الصاع اربعة امداد، والمد رطلان، والرطل نصف من ... فالمد والمن سواء، كل منهما ربع صاع، رطلان بالعراق

"صاع چار مد کا، مد دو رطل کا اور رطل نصف من کا ہوتا ہے؛ لہٰذا مد اور من برابر ہوے؛ دونوں چوتھائی صاع، یعنی دو رطل عراقی کے برابر ہیں"۔

اتنی بات تمام فقہائے حنفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے، اس میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا ایک صاع مد سے چار مد کا ہوتا ہے اور رطل سے آٹھ رطل کا، اور رطل سے رطل عراقی

مراد ہے۔ لہذا رطل کا جو تحقیقی تولہ گرام پہلے لکھا جا چکا ہے، اس کو آٹھ سے ضرب دیں تو صاع کا وہی وزن آتا ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے، اسی طرح رطل کے تولہ گرام کو دو سے ضرب دیں تو مد کا وہی وزن آتا ہے، جو اوپر لکھا گیا۔

اسی طرح ایک رطل نوے مثقال (دینار) کا ہوتا ہے، لہذا نوے کو آٹھ سے ضرب دیں گے تو ایک صاع: سات سو بیس (۷۲۰) مثقال کا ہوگا، اور ۷۲۰ کو مثقال کے گرام اور تولہ سے ضرب دیں گے تو بھی وہی اوپر والا حساب ہی آئے گا۔

اسی طرح رطل کا تحقیقی وزن ۱۲۸ درہم اور چار بٹہ سات درہم ہے، اس کو آٹھ سے ضرب دیں تو صاع کا تحقیقی وزن ۱۰۲۸ درہم اور ایک بٹہ سات درہم آتا ہے، اس کو بھی درہم کے گرام اور تولہ سے ضرب دیں گے تب بھی وہی حساب آئے گا، سر مو فرق نہیں ہوگا۔

علامہ شامی اور کئی حضرات نے اس تحقیقی وزن کے بجائے صاع کو (۱۰۴۰) درہم لکھا ہے، جو اس پر مبنی ہے کہ رطل ۱۳۰ درہم کا ہوتا ہے، اور رطل کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ ۱۳۰ درہم رطل کا تحقیقی وزن نہیں؛ لہذا جن حضرات نے ۱۰۴۰ کو تولہ یا گرام میں بدلا ہے، ان کا وزن تحقیقی نہیں ہوگا۔ اس نکتہ کے ذہن نشین نہ ہونے کی وجہ سے رسالہ ''اوزان شرعیہ'' میں دینار سے صاع کا حساب لگایا ہے تو ۲۷۰ تولہ ہوا ہے اور درہم سے صاع کا حساب لگایا ہے تو ۲۷۳ تولہ ہو کر حساب میں تین تولہ کا فرق پڑ گیا ہے۔

اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اصل رسالہ میں درہم کا حساب تین تولہ بڑا ہے، لیکن آخری نقشہ میں برعکس دینار کا حساب تین تولہ بڑا دکھایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ تسامح ہے۔ مولانا مہربان علیؒ نے بھی آخری نقشہ ہی کو گرام میں تبدیل کیا ہے، لہذا یہ تسامح ان کے حساب میں بھی ہے کہ دینار سے صاع کا وزن بڑا ہو گیا ہے، اور درہم سے چھوٹا؛ حالاں کہ حساب درہم سے ہو یا دینار سے نتیجہ ایک ہی آنا چاہیے۔

ائمہ ثلاثہ کا اختلاف

یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لینے کی ہے؛ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک صاع: چار مد کا ہوتا ضرور ہے، مگر چار مد آٹھ رطل کا نہیں ہوتا؛ بلکہ پانچ رطل، پھر ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف سے بھی یہی نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ائمہ ثلاثہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا؛ مگر ابن ہمامؒ نے اس نسبت کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ رجوع کا قصہ ہی بے سر و پا ہے؛ اگر امام ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع کیا ہوتا تو امام محمد اس کو ضرور نقل کرتے؛ کیونکہ وہ امام ابو یوسف کی آراء کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

بعض لوگوں نے ایک بات کہی کہ امام ابو یوسف کا قصہ تو صحیح ہے کہ انہوں نے اہل مدینہ کا صاع لے کر ناپا تو آٹھ رطل کے بجائے پانچ رطل اور ایک تہائی رطل نکلا؛ مگر وہ رطل مدینہ کا تھا اور مدنی رطل تیس استار کا ہوتا اور جن لوگوں نے آٹھ رطل کہا ہے، انہوں نے عراقی رطل مراد لیا ہے، اور عراقی رطل صرف بیس استار کا ہوتا ہے؛ لہذا عراقی رطل سے بھی ایک صاع: ایک سو ساٹھ استار کا ہوتا ہے، اور رطل مدنی سے بھی (یعنی ۲۰ کو ۸ سے ضرب دیجئے یا تیس کو ۵ رطل اور ثلث رطل سے، حساب ایک ہی ہوگا):

وهذا اشبه؛ لأن محمد لم يذكر خلاف أبي يوسف، لو كان لذكره؛ لأنه أعرف بمذهبه (شامی: ۳/۳۲۰، باب صدقۃ الفطر)

یہ تو صرف امام ابو یوسف اور طرفین کے درمیان حقیقی اختلاف نہ ہونے کا بیان تھا؛ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ صاع کی بابت ائمہ حنفیہ وغیر حنفیہ کا بھی کوئی اختلاف نہیں؛ حالاں کہ یہ بات سراسر غلط ہے، اگر سب کے نزدیک صاع کا وزن ایک ہی ہوتا تو حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر چونکہ نصف صاع گندم ہے اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک ایک صاع؛ اس لئے ان کا صدقہ فطر تین کلو سے اوپر ہونا چاہئے؛ حالاں کہ ان کے یہاں بھی صدقہ فطر ہمارے صدقہ فطر کے قریب قریب ہے؛ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کا صاع ضرور چھوٹا ہے اور

حقیقت بھی یہی ہے؛ کیونکہ حنفیہ کی طرح شافعیہ وغیرہ نے بھی صاف لکھا ہے کہ مداور صاع کے حساب میں ان کے یہاں بھی رطل عراقی ہی معتبر ہے؛ چنانچہ شافعی مسلک کی مشہور کتاب تحفۃ المحتاج میں ہے:

والصاع أربعة أمداد ، والمد رطل وثلث وقدرت بالبغدادي ، لأنه الرطل الشرعي (تحفۃ المحتاج باب زکوۃ النبات)

''صاع چار مد کا ہوتا ہے، اور مد ایک رطل اور تہائی طرل کا ہوتا ہے، اور صاع کو رطل بغدادی (عراقی) سے ناپا گیا ہے؛ کیونکہ رطل شرعی وہی ہے''۔

اسی طرح مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہ ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

وبينا أنه خمسة أرطال وثلث بالعراقي (۵:۳۰۱)

''ہم بتا چکے کہ صاع پانچ رطل اور تہائی رطل عراقی کے مساوی ہے''۔

اس طرح ائمہ کا صاع حنفیہ کے صاع سے ایک رطل دو ثلث چھوٹا ہو جاتا ہے، نیز ائمہ ثلاثہ کا صاع اس وجہ سے مزید چھوٹا ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک درہم پچاس جو اور دو خمس جو کا ہوتا ہے؛ صاوی اور فواکہ دوانی وغیرہ کئی ایک معتبر کتب میں یہی ہے:

لأن وزن الدرهم كما تقدم خمسون وخمسا حبة من الشعير المتوسط، وكل دينار وزنه اثنان وسبعون شعيرة (الفواكه الدواني: ۲:۴۷۹)

''درہم کا وزن متوسط جو سے پچاس جو، اور دو خمس جو کا ہوتا ہے، اور دینار کا وزن بہتر جو کا ہوتا ہے''۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک درہم ستر جو کا اور دینار سو جو کا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اول تو صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہے، اور رطل اگرچہ ۱۲۸ درہم کا ہے، مگر ان کا درہم حنفیہ کے درہم سے تقریباً انیس جو چھوٹا ہے؛ اس طرح حنفیہ کے نصف صاع اور ائمہ ثلاثہ کے ایک صاع میں کچھ زیادہ تفاوت باقی نہیں رہتا۔

الحاصل حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا رطل صرف: دو سو تراسی گرام،

چارسو پینتیس ملی گرام، دوسو میکروگرام کے مساوی ہے؛ اس لئے ان کا صاع صرف: ا کلو، پانچ سو گیارہ گرام، چھ سو باون ملی گرام، چارسو میکروگرام ہوگا۔

اہل عرب جو صاع کا وزن بتلاتے ہیں اس سے ہماری تحریر پر شبہ نہ کرنا چاہیے؛ کیونکہ ممکن ہے انہوں نے درہم کے پچاس جو کو کسی اور طرح تولا ہو، جس طرح خود حنفیہ میں سے علمائے دہلی، مولانا عبدالحیؒ اور مولانا مخدوم سندھی کے حساب میں فرق ہوگیا ہے؛ حالاں کہ سب نے درہم کے ستر جو یا دینار کے سو جو ہی کو تول کر دکھلایا ہے۔

کیا ابو یوسفؒ کا رجوع ثابت ہے

تنبیہ: ینابیع میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کا رجوع ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی طرف ثابت ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، صاحب بحر کا رجحان بھی اسی طرف ہے:

وردہ فی الینابیع بأن الصحیح أن الاختلاف بینهم ثابت بالحقیقة

(بحر، باب صدقة الفطر)

راقم حروف کہتا ہے کہ امام ابو یوسف کی کتاب الخراج سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابو یوسف کا اختلاف حقیقی اختلاف نہیں؛ پہلے کتاب الخراج کی پوری عبارت پڑھ لیجیے:

والوسق ستون صاع بصاع النبی ﷺ والصاع خمسة أرطال وثلث، وهو مثل قفیز الحجاج مثل الرُّبع الهاشمي، والمختوم الهاشمي الاول إثنان وثلاثون رطلا (الخراج: ۵۳، فصل ماینبغي أن یعمل به في السواد)

"وسق نبی کریم ﷺ کے صاع سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے؛ پس پانچ وسق تین سو صاع کے مساوی ہوگا۔ اور صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے، جو قفیز (صاع) حجاجی کے برابر ہے؛ یعنی رُبع ھاشمی کے مساوی اور پہلے مختوم (قفیز) ھاشمی بتیس (۳۲) رطل کا ہوتا ہے"۔

اب سمجھیے کہ امام ابو یوسفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں، عبارت ذرا دقیق ہے؛ وہ فرمارہے ہیں کہ صاع نبی ﷺ پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہے، مگر پھر بھی صاع حجاجی کے مساوی ہے،

اور گذشتہ صفحات میں معلوم ہو چکا کہ صاع حجاجی آٹھ رطل عراقی کے برابر ہوتا ہے۔ دوسری بات ابویوسفؒ نے یہ کہی کہ صاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ربع ہاشمی کے مساوی ہے، اور پہلے مختوم ہاشمی ۳۲ رطل کا ہوتا تھا، تو اس کا ربع آٹھ رطل ہوگا۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ صاع نبوی آٹھ رطل عراقی کا تھا۔ الحاصل امام ابویوسفؒ صاع کو آٹھ رطل بھی کہہ رہے اور پانچ رطل بھی اور یہ اسی توجیہ پر ممکن ہے جو ابھی علامہ شامیؒ کے حوالہ سے مذکور ہوئی۔

واضح رہے کہ صاع، قفیز اور مختوم کے الفاظ کبھی ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں (دیکھیے: مختوم اور قفیز کی بحث)؛ چنانچہ امام ابویوسفؒ نے جو یہ کہا کہ پہلے مختوم (قفیز) ہاشمی ۳۲ رطل کا تھا؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں چل کر مختوم (قفیز) ہاشمی کا وزن بدل گیا اور قفیز کے بیان میں آئے گا کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قفیز ہاشمی ایک صاع حجاجی کے مساوی تھا، گویا یہ تبدیل شدہ مختوم (قفیز) ہاشمی تھا۔ ربع ہاشمی کا اصل مطلب ہے: مختوم ہاشمی کا چوتھائی، اس کو عربی میں ربع الہاشمی (اضافت کے ساتھ) اور الربع الہاشمی (ترکیب توصیفی کیساتھ) دونوں طرح بولتے ہیں؛ دیکھیے: امام سرخسی مبسوط (۱۵/ ۱۷۷، کتاب الاجارات) لکھتے ہیں:

ولو أعطى صباغا ثوبا ليصبغه بعصفر بربع الهاشمي بدرهم فصبغه بقفيز عصفر... ومعنى هذه المسألة أن الربع الهاشمي هو الصاع وهو ربع قفيز فكأنه أمره بأن يصبغه صبغا غير مشبع وقد صبغ صبغا مشبعا

اس عبارت میں "ربع الہاشمی" اور "الربع الہاشمی" ایک ہی معنی میں ہے، نیز سرخسیؒ نے یہ بھی بتلا دیا کہ ربع ہاشمی صاع کو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی بتلایا کہ صاع قفیز کا چوتھائی ہوتا ہے؛ یہ وہی پہلے زمانے کا قفیز ہاشمی ہے جس کو امام ابویوسفؒ نے ۳۲ رطل کے مساوی بتلایا ہے۔

صاع کے آٹھ رطل ہونے پر حنفیہ کے دلائل

یہاں بلا ترجمہ صرف روایات نقل کی جاتی ہیں؛ تفصیل "الرضی شرح ترمذی" میں ہوگی۔ حنفیہ درج ذیل روایتوں سے استدلال کرتے ہیں:

(۱) ثنا أبو الليث الفرائضي ثنا محمد بن إسماعيل الخشوعي ثنا بن علية

حدثنی عبد الله بن مطر أبو ريحانة عن سفينة مولی رسول الله صلی الله عليه وسلم ان النبی ﷺ كان يتوضأ بالمد رطلين ويغتسل بالصاع ثمانية أرطال (الكامل لابن عدی: ترجمة ابو ريحانة عبد الله بن مطر)

(۲) ثنا صالح بن موسی الطلحی ثنا منصور عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة قالت: جرت السنة من رسول الله ﷺ فی الغسل من الجنابة صاع والوضوء رطلين والصاع ثمانية أرطال لم يروه عن منصور غير صالح وهو ضعيف الحديث (دارقطنی: ۲: ۱۵۳)

(۳) حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ حَنْظَلَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلی الله عليه وسلم- كَانَ يَغْتَسِلُ فِي حِلاَبٍ قَدْرَ هَذَا. وَأَرَانَا أَبُو عَاصِمٍ قَدْرَ الْحِلاَبِ بِيَدِهِ فَإِذَا هُوَ كَقَدْرِ كُوزٍ يَسَعُ ثَمَانِيَةَ أَرْطَالٍ ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى شِقِّ رَأْسِهِ الأَيْمَنِ (سنن کبری للبیہقی: ۱: ۱۶۳ الوضو)

اس سند پر بیہقی نے کوئی کلام نہیں کیا ہے؛ حالاں کہ سب روایات پر کلام کیا ہے۔

(۴) أخبرنا محمد بن عبيد قال حدثنا يحيى بن زكريا عن موسى الجهنی قال أتی مجاهد بقدح حزرته ثمانية أرطال فقال حدثتنی عائشة أن رسول الله صلی الله عليه وسلم كان يغتسل بمثل هذا (نسائی: حديث رقم: ۲۲۶)

اس سند کو جوہر نقی میں علامہ ترکمانی نے جید کہا ہے (۱/ ۱۹۳)۔

قال مجاهد فحزرته فيما أحزر ثمانية أرطال تسعة أرطال عشرة أرطال قال أبو جعفر فذهب ذاهبون الی أن وزن الصاع ثمانية أرطال واحتجوا فی ذلك بهذا الحديث وقال لم يشك مجاهد فی الثمانية وانما شك فيما فوقها فثبتت الثمانية بهذا الحديث وانتفی ما فوقها

(شرح معانی الاثار: باب وزن الصاع كم هو)

(۵) حدثنا فهد قال ثنا سعيد بن منصور قال ثنا شريك عن عبد الله بن عيسى عن عبد الله يعنی بن جبير عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يتوضأ برطلين ويغتسل بالصاع فهذا أنس قد أخبر أن مد رسول الله صلی الله عليه وسلم والصاع أربعة أمداد فإذا ثبت أن

المد رطلان ثبت أن الصاع ثمانية أرطال (ایضاً)

(٦) وعن امية بن خالد قال لما ولی خالد القسری اضعف الصاع فصار الصاع ستة عشر رطلا اخرجه أبو داود وسكت عنه (الجوهر النقی: ۱: ۱۹۶)

(٧) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ أَبِي شِهَابٍ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ فُضَيْلٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: الْقَفِيزُ الْحَجَّاجِيُّ هُوَ الصَّاعُ.

(مصنف ابن ابی شیبة: باب الصاع، ما هو)

امام ابو یوسف نے اپنی سند سے عامر شعبیؒ سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے:

(٨) قال: وحدثنی السری عن الشعبی أن عمر بن الخطاب ﷺ فرض علی الكرم عشرة دراهم، وعلی الرطبة خمسة، وعلی كل أرض يبلغها الماء عملت أو لم تعمل درهما ومختوما، قال عامر: هو الحجاجی، وهو الصاع

(الخراج: ۳۷، فصل ما عمل به فی السواد)

(٩) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، قَالَ: سَمِعْتُ حَسَنًا يَقُولُ: صَاعُ عُمَرَ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ. وَقَالَ شَرِيكٌ: أَكْثَرُ مِنْ سَبْعَةِ أَرْطَالٍ وَأَقَلُّ مِنْ ثَمَانِيَةٍ.

(مصنف ابن ابی شیبة: باب الصاع، ما هو)

(١٠) حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: الْحَجَّاجِيُّ صَاعُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ. (ایضاً)

تلك عشرة كاملة

ان سب روایات اور آثار کا خلاصہ یہی ہے کہ صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

مختوم

مختوم (صاع): تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث میں صاع کو مختوم بھی کہا گیا ہے؛ سنن ابوداود کی روایت میں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا

دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ زَكَاةٌ وَالْوَسْقُ سِتُّونَ مَخْتُومًا (باب ما تجب فیہ الزکوۃ)

''حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، وہ نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں، اور وسق ساٹھ مختوم (صاع) کا ہوتا ہے''۔

اس روایت میں مختوم صاع کے ہم معنی ہے؛ کیونکہ اولاً: اسی روایت کے دوسرے طریق میں ستون صاعاً ہے، ثانیاً: وسق کا ساٹھ صاع ہونا اہل علم پر مخفی نہیں، ثالثاً: علامہ مجدالدین فیروزابادیؒ القاموس المحیط (مادہ ختم) میں لکھتے ہیں:

والمَخْتُومُ: الصاعُ

''مختوم صاع کو کہتے ہیں''۔

نیز علامہ مطرزیؒ لکھتے ہیں:

(وَالْمَخْتُومُ) الصَّاعُ بِعَيْنِهِ عَنْ أَبِي عُبَيد، وَيَشْهَدُ لَهُ حَدِيثُ الْخُدْرِيِّ الْوَسْقُ سِتُّونَ مَخْتُومًا (المغرب، مادة: ختم)

''مختوم بعینہ صاع کو کہتے ہیں؛ یہ ابوعبیدؒ سے منقول ہے؛ ابوسعید خدری کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں ہے کہ وسق ساٹھ مختوم کا ہوتا ہے''۔

قسط

قسط (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام۔

قسط ایک پیمانہ ہے، جو نصف صاع کا ہوتا ہے؛ چنانچہ صاحب المغرب علامہ ناصرالدین مطرزیؒ (مادہ قسط) میں لکھتے ہیں:

القسط فی المکائیل، وھو نصف صاع

''قسط ایک پیمانہ ہے، جو نصف صاع کا ہوتا ہے''۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضور ﷺ ایک ہی برتن کے پانی

سے غسل کرتے تھے، جو ایک فرق کے برابر تھا (باب مقدار الماء الذی یجزی بہ الغسل) اور صحیح ابن حبان کی روایت میں اسی کو چھ قسط بتایا گیا ہے۔ (کتاب الحظر والاباحۃ: ۱۲/۳۹۰)۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قسط نصف صاع کا ہوتا ہے؛ کیونکہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

کیلجہ

کیلجہ (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام۔

علامہ مطرزی لکھتے ہیں:

المکوك صاع ونصف، وهو ثلاث کیلجات

''مکوک ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے، اور ڈیڑھ صاع تین کیلجہ ہوتا ہے''۔

لہٰذا ایک کیلجہ نصف صاع کا ہوگا۔

مکوک

مکوک (ایک مد): سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)۔

مکوک عراقی (ڈیڑھ صاع): چار کلو، سات سو تئیس گرام، نو سو بیس ملی گرام (۴ کلو، ۷۲۳ گرام، ۹۲۰ ملی گرام)۔

مکوک ایک پیمانہ تھا، جس کا وزن ہر ملک میں مختلف رہا ہے، عراق میں ڈیڑھ صاع کا ایک مکوک ہوتا تھا، اور صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا جو ایک مکوک سے وضو کرنا اور پانچ مکوک سے غسل کرنا منقول ہے، وہاں مکوک سے ایک مد مراد ہے؛ چنانچہ علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں:

وفی حدیث أنس [أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ بمَكُّوكٍ ويَغْتَسِلُ بخمسة مَكاكِيكَ] وفی روایة [بخمسة مَكاكی] أراد بالمَكُّوك المُدّ وقيل: الصاع. والأوّل أشبه لأنه جاء فی حدیث آخر مُفَسَّراً بالمُدِّ

والمَكاكِی: جمعُ مَكُّوكٍ على إبدالِ الياءِ من الكاف الأخيرة. والمكُّوك: اسمٌ للمكيال ويَختلف مقدارُهُ باختلاف اصطلاح الناس عليه في البلاد

''حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ ایک مکوک سے وضو فرماتے اور پانچ مکوک سے غسل فرماتے تھے۔ ایک روایت میں (مکوک کی جمع) مکاکیک ہے دوسری میں مکاکی ہے؛ اس حدیث میں مکوک سے مد مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صاع مراد ہے؛ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے؛ کیونکہ ایک دوسرے طریق میں صراحتاً مد ہی کا لفظ آیا ہے۔ مکاکی بھی مکوک ہی کی جمع ہے؛ آخری کاف کو یا سے بدل دیا گیا ہے۔ مکوک ایک پیمانہ ہے؛ اس کی مقدار ہر ملک میں جدا جدا ہوتی ہے''۔

علامہ ابن اثیرؒ کا یہ کلام نہایت واضح ہے، اس سے ہر طرح تشفی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب ہم قاضی عیاض کا کلام پڑھتے ہیں تو بہت اشکال ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

قوله المكوك هو مكيال معروف بالعراق وبفتح الميم وتشديد الكاف ويسع صاعا ونصفا بالمدني ويجمع مكاكي ومكاكيك وبالروايتين جاء في مسلم (مشارق الانوار، ماة: م،ك،ك)

''مکوک ایک پیمانہ ہے، جو عراق میں مشہور ہے، میم مفتوح اور کاف مشدد کے ساتھ ہے، اس میں مدنی صاع سے ڈیڑھ صاع سماتا ہے، اس کی جمع مکاکی اور مکاکیک دونوں ہے، اور دونوں الفاظ صحیح مسلم میں مروی ہیں''۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا صرف ایک صاع سے غسل کرنا صراحتاً منقول ہے، اور محدثین کے درمیان مقبول ہے، اب اگر مکوک ڈیڑھ صاع کا ہو تو پانچ مکوک ساڑھے سات صاع کا ہوتا ہے؛ یہ اشکال ابن الجوزی کو بھی ہوا ہے، فرماتے ہیں:

في الحديث كان رسول الله يغتسل بخمسة مكاكيك، هذا مشكل، لأن المكوكَ المعروفَ صاعٌ ونصفٌ وقد كان رسولُ اللهِ يغتسلُ بالصّاعِ الواحدِ إلى أن رَأَيْتُ الأزهريَّ قد حكى عن الليثِ أنه قال المكوكُ طأسٌ

يُشْرَبُ به فزَالَ الإشكالُ وقال غيره: المكوكُ إناءٌ يسع نحو المَدِّ معروف عندهم (غريب الحديث لابن الجوزي، باب الميم والكاف)

''حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ پانچ مکوک سے غسل فرماتے تھے، یہ قابل اشکال ہے؛ کیونکہ مکوک جو مشہور ہے، وہ ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ صرف ایک صاع سے غسل فرماتے تھے، یہاں تک کہ میں نے ازہری کے کلام میں دیکھا، انہوں نے لیث سے نقل کیا ہے کہ مکوک ایک مگ ہے، جس سے پانی پیا جاتا ہے۔ اس سے اشکال ختم ہوگیا، اور بعض نے صراحت بھی کردی ہے کہ مکوک ایسا برتن ہے، جس میں ایک مد سماتا ہے''۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ قاضی عیاض نے حدیث غسل میں مذکور مکوک کی تشریح عراقی مکوک سے کردی، اس لئے اشکال کھڑا ہوگیا؛ حالاں کہ حدیث میں وہ مکوک مراد نہیں، بلکہ مد مراد ہے؛ پس طئے یہ ہوا کہ حضور ﷺ ایک مد (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام) سے وضو کرتے تھے اور غسل کبھی پانچ مد (۳ کلو، ۹۳۶ گرام، ۶۰۰ ملی گرام) سے، کبھی ایک صاع (۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام) سے کرتے تھے۔

فرق

فرق (تین صاع): نو کلو، چار سو سینتالیس گرام، آٹھ سو چالیس ملی گرام۔

ازہری کہتے ہیں کہ اہل عرب راء پر زبر اور محدثین سکون پڑھتے ہیں۔ فرق ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق تین صاع کا ہوتا ہے؛ حدیث میں بھی فرق کو تین صاع ہی بتلایا گیا ہے؛ بخاری و مسلم میں روایت ہے:

حَدَّثَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَقَفَ عَلَيْهِ وَرَأْسُهُ يَتَهَافَتُ قَمْلاً فَقَالَ: أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟ قُلْتُ نَعَم. قَالَ: فَاحْلِقْ رَأْسَكَ. قَالَ فَفِيَّ نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ

صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ) فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ تَصَدَّقْ بِفَرَقٍ بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ أَوِ انْسُكْ مَا تَيَسَّرَ. (مسلم، كتاب الحج، باب جواز حلق الرأس للمحرم، بخاري، باب قول الله تعالى: {أو صدقة} وهي إطعام ستة مساكين)

''عبدالرحمن بن ابی لیلیؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت کعبؓ بن عجرہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ ان کا سر جوؤں سے بھر گیا تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کیڑے تمہیں تکلیف دے رہے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو سر منڈا دو۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی فمن کان منکم مریضاً الایۃ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (بحالت احرام سر منڈانے کے فدیہ میں) تین روزے رکھ لو، یا ایک فرق غلہ چھ مسکینوں کو دیدو، یا جو میسر ہو قربانی کرو''۔

بخاری و مسلم میں اسی روایت کے دوسرے طریق میں یہ وضاحت بھی ہے کہ ایک فرق تین صاع کا ہوتا ہے؛ چنانچہ بخاری میں ہے:

فقال: فصم ثلاثة أيام أو أطعم ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع (باب الاطعام في الفدية نصف صاع)

''فرمایا: تین روزے رکھو، یا چھ مسکینوں کو کھانا دو؛ ہر مسکین کو نصف صاع''۔

اور مسلم (باب سابق) میں ہے: وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ آصُعٍ (فرق تین صاع کا ہوتا ہے)؛ اسی لئے تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ لیکن صاع کتنے رطل کا ہوتا ہے؟ اس کی تحقیق پہلے گذر چکی کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک صاع پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوتا ہے؛ لہٰذا تین صاع سولہ رطل کا ہوگا؛ ائمہ ثلاثہ کی فقہ ہو یا لغت کی کتابیں سب جگہ یہی سولہ رطل لکھا ہوا ہے۔ اس پر کچھ تعجب نہیں؛ کیونکہ اصحاب لغت ابوعبید قاسم بن سلام، ازہری، فیروز ابادی اور ابن منظور افریقی وغیرہ کا مسلک بھی وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ قاری کو حیرت تو

اس وقت ہوتی ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ ابن ہمام اور مطرزی جیسے محقق حنفی حضرات نے بھی فرق کو سولہ رطل ہی لکھا ہے۔ اب یہ کہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ حنفیہ نے بھی اصحاب لغت کی تقلید میں فرق کی مقدار سولہ رطل لکھا ہے، ورا صحاب لغت نے اپنی تحقیق اور اپنا مسلک لکھا ہے، وہ حنفیہ کا مسلک نہیں ہوسکتا۔

میری اس بات کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب حدیث بالا میں ایک فرق کو تین صاع لکھا ہے اور صاع حنفیہ کے نزدیک آٹھ رطل کا ہوتا ہے، تو لامحالہ فرق چوبیس رطل کا ہوگا، سولہ رطل کا نہیں۔ اور جب صاع کے وزن کو تین سے ضرب دیں گے تو وہی حساب آئے گا، جو اوپر لکھا گیا۔

ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے؛ وہ یہ کہ محیط میں کسی مقام پر فرق کو ساٹھ (۶۰) رطل اور امام محمد نے شہد کے عشر کے مسئلہ میں فرق کو ۳۶ رطل بتلایا ہے، وہ یا تو ناقلین کا تسامح ہے، یا وہ بھی کسی قسم کا فرق ہے؛ چنانچہ نے علامہ مطرزی نے بھی اس پر اپنے تحفظ اور تردد کا اظہار فرمایا ہے (المغرب: مادہ فرق)۔

قفیز

قفیز عراقی (۱۲ صاع): ۳۷ کلو، ۷۹۱ گرام، ۳۶۰ ملی گرام۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قفیز دراصل ایک عراقی پیمانہ ہے، جو بارہ صاع کا ہوتا ہے: بحر میں ہے:

قال الأزهري رحمه الله تعالى: الكرستون قفيزا والقفيز ثمانية مكاكيك والمكوك صاع ونصف (البحر الرائق: باب السلم)

"ازہریؒ فرماتے ہیں کہ کر ساٹھ قفیز کا، قفیز اٹھ مکوک کا، اور مکوک ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے"۔

لہٰذا مکوک بارہ صاع کا ہوگا، اور جب مکوک کے وزن کو آٹھ سے یا صاع کے وزن کو بارہ سے ضرب دیں گے تو وہی حساب آئے گا جو اوپر لکھا گیا۔

قفیز ہاشمی

قفیز کی ایک قسم: قفیز ہاشمی ہے، وہ ایک صاع کا ہوتا ہے؛ علامہ شامی لکھتے ہیں:

إن القفيز الهاشمي صاع واحد، وهو القفيز الذي ورد عن عمر بن الخطاب. ... وهو صاع رسول الله ﷺ وينسب إلى الحجاج فيقال صاع حجاجي، لأن الحجاج أخرجه بعد ما فقد (ردالمحتار: ٦: ٣٠٤)

"قفیز ہاشمی ایک صاع ہوتا ہے، اور یہ وہی قفیز ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے، یہی صاع نبوی بھی ہے جو حجاج کی طرف منسوب ہوکر صاع حجاجی کہلاتا ہے؛ کیونکہ مفقود ہوجانے کے حجاج ہی نے اسے اجاگر کیا تھا"۔

حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین پر جو ایک جریب پر ایک قفیز گندم اور ایک درہم خراج لگایا تھا؛ اس میں یہی قفیز ہاشمی مراد ہے، جو ایک صاع کا ہوتا تھا (حوالہ سابق)۔

عَرَق

عرق: (۳۰ صاع) چورانوے کلو، چار سو اٹھہتر گرام، چار سو ملی گرام۔

عرق: عین، را کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔ عرق کھجور کی قمچیوں سے بنی ہوئی ٹوکری ہوتی ہے، اس کی مقدار کیا ہوتی ہے اس میں کافی اختلاف ہے؛ ابوداؤد شریف میں حضرت اوس بن صامتؓ کے ظہار کے قصہ میں دو طرح کی روایات منقول ہیں؛ ایک میں ہے: العرق ستون صاعاً (عرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) دوسری میں ہے: والعرق مكتل يسع ثلاثين صاعاً (عرق ایک ٹوکرا ہے، جس میں تیس صاع آتا ہے) امام ابوداؤد فرماتے ہیں: وهذا أصح (تیس صاع والا قول اصح ہے) اس کے بعد ایک تیسری روایت بیان کی ہے، جس میں پندرہ صاع کھجور کا تذکرہ ہے:

فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- بِتَمْرٍ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنْ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا (باب في الظهار)

شافعیہ نے پندرہ صاع کی روایت کو لیا ہے؛ ان کا کہنا ہے کہ کفارات میں خواہ گندم ہو یا کھجور ایک مد ایک مسکین کو دیا جائے گا؛ اس طرح ساٹھ مسکینوں پر مجموعی صدقہ پندرہ صاع ہوگا؛ کیونکہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے، تو پندرہ صاع ساٹھ مد کا ہوگا۔

حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ کھجور یا جو ایک فقیر کو نصف صاع دینا ہوگا اور گندم ایک مد؛ کیونکہ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ بنو بیاضہ قبیلہ کی ایک خاتون نصف وسق جو لے کر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "مظاہر" کو دے کر فرمایا: أطعم هذا، فإن مدى شعير مكان مد بر (یہ مسکینوں کو کھلا دو؛ کیونکہ دو مد جو ایک مد گندم کے برابر ہے)۔ (مغنی: ۶/ ۱۱۷)

حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر ہو یا کفارہ رمضان یا کفارہ ظہار؛ ہر جگہ ایک مسکین کو ایک صاع جو یا کھجور اور نصف صاع گندم دینا ہوگا؛ اس طرح ساٹھ مسکینوں کا صدقہ ساٹھ صاع جو یا کھجور ہو جائے گا۔ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ عرق کا تیس صاع ہونا ہی راجح ہے؛ مسلم کی روایت میں کفارہ رمضان کے قصہ میں ہے کہ دو عرق طعام (جو) لایا گیا تھا:

فَجَاءَهُ عَرَقَانِ، فِيهِمَا طَعَامٌ، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهِ (مسلم، الصوم، باب تحريم الجماع فی نهار رمضان)

"تبھی دو عرق غلہ (جو) لایا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا صدقہ کردو"۔

اوس بن صامت کا قصہ جو کفارہ ظہار کا ہے، اس میں بھی یہی بات ہے کہ دو عرق کھجور لایا گیا تھا؛ ایک عرق کوئی اور لایا تھا، اور خود حضرت اوسؓ کی زوجہ نے مزید ایک عرق سے امداد کیا تھا، اس طرح مجموعہ ساٹھ صاع کھجور ہو گیا، جو کفارہ میں مطلوب تھا:

فأتي ساعتئذ بعرق من تمر قلت يا رسول الله فإني أعينه بعرق آخر قال قد أحسنت اذهبي فأطعمي بها عنه ستين مسكينا وارجعي إلى ابن عمك قال والعرق ستون صاعا (ابو داؤد، طلاق، باب فی الظهار)

"اسی وقت ایک عرق کھجور لایا گیا، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں بھی ایک عرق

سے مدد کرتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا کیا، جاؤ اس سے ساٹھ مسکینوں کو کھلادو، اور اپنے چچازاد بھائی کی پاس لوٹ جاؤ۔ راوی کہتا ہے کہ (مجموعہ دو) عرق ساٹھ صاع ہوگیا تھا"۔

اب جن روایات میں دو عرق کی جگہ ایک وسق کہا گیا ہے، وہ بھی درست ہے؛ کیونکہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے؛ چنانچہ سلمہ بن صخر بیاضی کا جو قصہ کفارہ ظہار سے متعلق ہے (جو رمضان میں پیش آیا) اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

فأطعم وسقا من تمر بين ستين (حوالہ سابق)

"ایک وسق کھجور ساٹھ افراد کو کھانے کے لیے دیدو"

اور روایت بالا میں جو عرق کو ساٹھ صاع کہہ دیا گیا ہے، اس میں مجموعی دو عرق کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور ابن قدامہ نے مسند احمد کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے کہ خاتون نصف وسق لائی تھیں، اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ نصف وسق کوئی اور لایا تھا، اس لئے اس کا تذکرہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

اب رہی بات ان روایات کی جن میں عرق کو پندرہ صاع کہا ہے، اس کی توجیہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے یہ کی ہے کہ اس موقعہ پر اتنا ہی دستیاب ہوا ہوگا، جو صحابی کو دیدیا گیا ہوگا، یہ نہیں کہ عرق پندرہ صاع کا ہی ہوتا ہے (مغنی: ۶/ ۱۱۷)۔ گویا عرق تو برتن ہے، جس میں تیس صاع آتا ہے، مگر اس میں فقط پندرہ صاع غلہ تھا؛ پس راوی نے کبھی تو یہ کہہ دیا کہ پندرہ صاع غلہ لایا گیا؛ جیسا کہ ابھی گذرا، اور کبھی یہ کہہ دیا کہ العرق خمسة عشر صاعا اور یہ روایت بالمعنی ہے، اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ عرق میں پندرہ صاع تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ راجح قول کے مطابق عرق تیس صاع کا ہوتا ہے، حنفیہ میں سے مطرزیؒ نے یہی لکھا ہے (المغرب: مادہ عرق)۔ صاع کے وزن کو تیس سے ضرب دیں گے تو وہی وزن آئے گا، جو اوپر لکھا گیا۔

وسق

وسق (ساٹھ صاع): ایک سو اٹھاسی کلو، نو سو چھپن گرام، آٹھ سو ملی گرام۔

وسق: دو سو اڑھائی سیر؛ یعنی: پانچ من اڑھائی سیر۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے؛ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

الوسق ستون صاعا بالاجماع نقل الاجماع فیه ابن المنذر وغیرہ

"وسق بالاجماع ساٹھ صاع کا ہوتا ہے: ابن منذر وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے"۔ (المجموع:۵:۴۵۸)

صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں بھی اس کی صراحت ہے:

ولیس فیما دون خمس أوسق صدقة، والوسق ستون صاعاً" (۸:۶۰)

"پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں، اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے"۔

اب چونکہ صاع کے وزن میں اختلاف ہے؛ اس لیے وسق میں بھی اختلاف ہو گیا، صاع کا جو وزن حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے، اس کو ساٹھ سے ضرب دیں گے تو وہی وزن آئے گا جو اوپر لکھا گیا۔

قِربَۃ

قربہ (سو رطل عراقی) اٹھائیس کلو، تین سو تینتالیس گرام، پانچ سو بیس ملی گرام (۲۸ کلو، ۳۴۳ گرام، ۵۲۰ ملی گرام)۔

قربہ بڑا مٹکہ ہوتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک دو قلہ پانی کثیر ہوتا ہے، نجاست کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا؛ قلہ پانچ قربہ کا ہوتا ہے، اور قربہ سو رطل عراقی کا ہوتا ہے؛ چنانچہ اُسنی المطالب (۱/ ۶۳) میں ہے:

فتکون القلتان خمس قرب، والغالب أن القربة لا تزید علی مائة رطل بالبغدادی فالمجموع به خمسمائة رطل تقریبا

''دوقلہ پانچ قربہ کا ہوتا ہے، اوراکثر قربہ سو رطل عراقی سے زیادہ نہیں ہوتا؛ لہذا دوقلہ تقریباً پانچ سو رطل ہوا''۔

اور جب رطل کے وزن کو سو سے ضرب دیں گے تو قربہ (سو رطل): انتالیس کلو، تین سو چھیاسٹھ گرام (۳۹ کلو، ۳۶۶ گرام) کا ہوگا؛ اور یہی مولانا ابوالکلام صاحب نے لکھا بھی ہے، جس پر بظاہر کوئی اشکال نہیں۔

لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ قربہ اور قلہ سے شافعیہ نے بحث کی ہے، انہوں نے ہی اس کو سو رطل بتلایا ہے؛ اس لئے رطل شافعی کا ہی وزن لیا جائے گا، رطل حنفی کا نہیں، اور مولانا ابوالکلام صاحب نے حساب کیا ہے رطل حنفی سے؛ اس لئے اس کو قربہ کا صحیح وزن نہیں کہہ سکتے۔ اور حنفیہ وشافعیہ دونوں کے نزدیک اگرچہ رطل نوے دینار کا ہے، مگر شافعیہ کا دینار چھوٹا ہے؛ اس لئے رطل بھی چھوٹا ہے؛ یعنی صرف: ۲۸۳ گرام، ۴۳۵ ملی گرام، ۲۰۰ میکروگرام، جس کی وجہ رطل کے بیان میں لکھی جا چکی۔ اب رطل کے اس وزن کو سو سے ضرب دیجئے تو قربہ کا وزن برآمد ہوگا؛ یعنی: اٹھائیس کلو، تین سو تینتالیس گرام، پانچ سو بیس ملی گرام (۲۸ کلو، ۳۴۳ گرام، ۵۲۰ ملی گرام) اور اوپر اس ناکارہ نے یہی لکھا ہے۔

قُلَّہ

قلہ (دوسو پچاس رطل)

قلہ بہت بڑا مٹکہ ہوتا ہے۔ قربہ کے بیان میں ابھی معلوم ہو چکا کہ دوقلہ پانچ قربہ کے مساوی ہے، اور رطل سے پانچ سو رطل کے مساوی ہے؛ لہذا ایک قلہ اڑھائی قربہ اور رطل سے دوسو پچاس رطل کے مساوی ہوگا۔ اب رطل حنفی کے وزن کو دوسو پچاس سے ضرب دیں یا قربہ کے وزن کو اڑھائی سے، تو ایک قلہ کا وزن ہوگا: اٹھانوے کلو، چارسو پندرہ گرام (۹۸ کلو، ۴۱۵ گرام)۔ اور مولانا ابوالکلام صاحب نے بھی یہی لکھا ہے، مگر قربہ کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ قلہ اور قربہ کو شافعی رطل سے وزن کرنا ضروری ہے۔

اور رطل شافعی سے دو قلہ: ایک سو اکتالیس کلو، سات سو سترہ گرام، چھ سو ملی گرام (۱۴۱ کلو، ۷۱۷ گرام، ۶۰۰ ملی گرام) کا ہوتا ہے۔ اور ایک قلہ: ستر کلو، آٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام (۷۰ کلو، ۸۵۸ گرام، ۸۰۰ ملی گرام) کا ہوتا ہے۔

کُر

کر: (۲۲۶۷ کلو، ۴۸۱ گرام، ۶۰۰ ملی گرام)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کر (کاف مضموم، راء مشدد) ایک پیمانہ ہے، جو ساٹھ قفیز کا ہوتا ہے، اور قفیز بارہ صاع کا؛ پس کر (۷۲۰) صاع کا ہوگا۔ اور جب صاع کے وزن کو (۷۲۰) سے ضرب دیں گے تو وہی حساب ہوگا، جو اوپر لکھا گیا؛ علامہ شامی البحر الرائق کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

(قوله الکر ستون قفیزا إلخ) فیکون القفیز اثنی عشر صاعا ویکون الکر سبعمائة وعشرین صاعا (منحة الخالق: باب السلم)

''کر ساٹھ قفیز کا ہوتا ہے الخ پس قفیز بارہ صاع کا ہوگا اور کر سات سو بیس صاع کا''۔

قدح

قدح مصری: ۸۰۹ گرام، ۸۱۳ ملی گرام، ۸۶۷ میکرو گرام (تقریبا)۔

قدح ایک مصری پیمانہ ہے، اس کا تذکرہ شافعیہ کے یہاں ملتا ہے؛ چنانچہ خطیب شربینی نے مغنی المحتاج (۴ر ۴۴۲) میں لکھا ہے:

فَقَدْ اعْتَبَرْتُ الْقَدَحَ الْمِصْرِيَّ بِالْمُدِّ الَّذِي حَرَّرْتُهُ فَوَسِعَ مُدَّيْنِ وَسُبُعًا تَقْرِيبًا فَالصَّاعُ قَدَحَانِ إلَّا سُبُعَيْ مُدٍّ وَكُلُّ خَمْسَةَ عَشَرَ مُدًّا سَبْعَةُ أَقْدَاحٍ

''میں نے قدح مصری کو اسی مد سے ناپا جس کا ابھی خلاصہ ہوا، تو تقریباً دو مد اور ایک سبع مد ہوا، لہذا صاع دو سبع مد کم دو قدح ہوگا، اور پندرہ مد کے سات قدح ہوں

گئے"۔

شربینی شافعی ہیں، انہوں نے قدح کو اپنے مد شافعی سے ناپا ہے، اور مد شافعی مد حنفی سے بہت چھوٹا ہوتا ہے، یعنی: ۷۷ ۳ گرام، ۹۱۳ ملی گرام، ۱۰۰ میکروگرام کا۔اور مولانا ابوالکلام صاحب نے مد حنفی سے جوڑ گھٹاؤ کیا ہے؛ اس لئے مولانا کا حساب یہاں قابل اعتبار نہیں۔

مدی

مدی (ساڑھے بائیس صاع): ستر کلو، اُٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام۔

مدی (بضم میم وسکون دال بروزن قفل) ایک بڑا پیانہ ہے، جو شام اور مصر میں قبل اسلام ہی سے رائج تھا، حضرت عبادہؓ بن صامت نے ملک شام میں ایک خطبہ دیا تو ربا کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ألا، وإن التمر بالتمر مديا بمدي" (سن لو! کھجور کھجور کے بدلے ایک مدی کا ایک مدی ہونا لازم ہے) یعنی کمی بیشی جائز نہیں۔بعض طرق میں مدی کی جگہ مد ہو گیا ہے، جو روایتاً صحیح نہیں؛ علامہ مطرزیؒ لکھتے ہیں:

مدين بمدين خطأ، وإنما الصواب مدى، وهو مكيال بالشام يسع خمسة عشر ةمكوكا، والمكوك صاع ونصف صاع (المغرب، مادة: مدى)

"مدی ملک شام کا ایک پیانہ ہے، جو پندرہ مکوک کا ہوتا ہے اور مکوک ڈیڑھ صاع کا"۔

ابن الاثیر نے بھی النہایہ (حرف المیم، باب المیم مع الدال) میں یہی لکھا ہے؛ اس طرح مدی: ساڑھے بائیس صاع کا ہوتا ہے۔اور صاع کے وزن کو ساڑھے بائیس سے ضرب دینے سے وہی حساب آتا ہے، جو اوپر لکھا گیا۔

علامہ فیومیؒ نے صرف انیس صاع لکھا ہے، جو ایک قول شمار ہوگا:

و (المُدْيُ) وزان قفل مكيال يسع تسعة عشر صاعا و هو غير المُدّ (مصباح منير: مادة: مدى)

ویبہ

اس کا تذکرہ بھی شافعیہ کے یہاں ہی ملتا ہے؛ صاحب تحفہ لکھتے ہیں:

فثلاثون صاعا ثلاث ویبات ونصف (تحفة المحتاج، باب زکوة النبات)

''تیس صاع کا ساڑھے تین ویبہ ہوتا ہے''۔

یعنی صاع سے تقریباً ساڑھے آٹھ صاع کا اور مد سے تقریباً چونتیس مد کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب قاموس نے جو اس کو بائیس یا چوبیس مد لکھا ہے اور مولانا ابوالکلام صاحب نے اسی کو گرام میں تبدیل کیا ہے، وہ حساب درست نہیں۔ نیز مولانا کا حساب اس وجہ سے بھی درست نہیں کہ ویبہ اردب ہی کی طرح خالص مصری پیمانہ ہے، اور مصری شافعی و مالکی علماء نے ہی اس کو ناپا تولا ہے؛ لہذا ائمہ ثلاثہ کے صاع ومد سے ہی اس کا وزن نکالا جائے گا، اور صاع کے بیان کے معلوم ہو چکا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا صاع: ایک کلو، پانچ سو گیارہ گرام، چھ سو باون ملی گرام، چارسو میکروگرام کا ہے؛ لہذا صاع کے وزن کو ۳۰ سے ضرب دے کر، ساڑھے تین سے تقسیم کریں گے تو ویبہ کا وزن نکلے گا؛ یعنی: بارہ کلو، نوسوستاون گرام، بیس ملی گرام، پانچ سو اکہتر میکروگرام (۱۲ کلو، ۹۵۷ گرام، ۲۰ ملی گرام)۔

اردب

اردب (الف مکسور، راء ساکن، دال مفتوح، با مشدد) ایک بڑا پیمانہ ہے، جس میں چوبیس صاع غلہ سماتا ہے، اس کا استعمال اہل مصر کرتے تھے:

الإردب مكيال معروف لأهل مصر، يقال: إنه يأخذ أربعة وعشرين صاعاً من الطعام (لسان العرب، مادة: ردب)

''اردب ایک مشہور مصری پیمانہ ہے، کہا جاتا ہے کہ چوبیس صاع غلہ آتا ہے''۔

لیکن خطیب شربینی شافعیؒ لکھتے ہیں:

فثلاثون صاعا ثلاث ويبات ونصف فثلاثمائة صاع خمسة وثلاثون ويبة، وهي خمسة أرادب ونصف وثلث (تحفة المحتاج)

''تیس صاع کا ساڑھے تین ویبہ ہوتا ہے، تو تین سو صاع پینتیس ویبہ کا ہوگا، اور یہ ساڑھے پانچ اردب اور تہائی اردب کا ہوگا''۔

اور جب ساڑھے پانچ اور تہائی سے تین سو کو تقسیم کریں گے، تو ایک اردب تقریباً ساڑھے اکیاون صاع کا ہوگا، اور پھر حاصل تقسیم کو صاع شافعی کے وزن سے ضرب دیں گے تو اردب کا وزن نکلے گا؛ یعنی: ۷۷ کلو، ۴۴۷ گرام، ۱۲۳ ملی گرام، ۴۲۸ میکروگرام۔ اردب کو شافعی صاع سے وزن کرنے کی وجہ ویبہ کے بیان میں لکھا جاچکا ہے۔

باب سوم

مساحت کا بیان

ذراع

ذراع کرباس: (نصف گز): چار سو ستاون ملی میٹر، دوسو میکرو میٹر (۴۵۷ ملی میٹر، ۲۰۰ میکرو میٹر) یعنی: تقریباً: چھیالیس (۴۶) سنٹی میٹر۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ذراع کرباس انگریزی گز سے نصف گز، انچ سے اٹھارہ (۱۸) انچ، فٹ سے ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے (جواہر الفقہ)

دراصل فقہ کی کتابوں میں دو قسم کے ذراع کا تذکرہ ملتا ہے: ذراع مساحت، ذراع کرباس۔ کسری کے زمانے میں جو ذراع زمین کی پیمائش کے لئے رائج تھا، وہ سات مٹھی کا تھا، جس پر انگوٹھا کھڑا ہو، اس کو ذراع مساحت اور ذراع کسری کہا جاتا ہے۔ بعد میں جو ذراع رائج ہوا، وہ چھ مٹھی کا تھا، جس پر انگوٹھا کھڑا نہ ہو، یہ ذراع کرباس اور ذراع مکسرہ کہلاتا ہے، یہ چوبیس انگل کا ہوتا ہے؛ علامہ شامیؒ علامہ رملیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

والميل ألف باع والباع أربعة أذرع والذراع أربعة وعشرون أصبعا

(منحة الخالق، باب التيمم)

''میل ایک ہزار باع کا، باع چار ذراع کا اور ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے''۔

دہ دردہ کی پیمائش، سترہ کی مقدار، مسافت سفر کی تعیین وغیرہ میں ذراع کرباس کا ہی اعتبار ہے؛ مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عرب اور فقہاء کی سادگی کا بھی یہی مقتضاء ہے کہ ان کے کلام میں ذراع سے یہی مراد ہو؛ کیونکہ وہ طبعی ذراع (ایک ہاتھ) کی صحیح مقدار ہے، اور یہ ذراع انگریزی گز کا نصف ہے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔ البتہ ذراع مساحت انگریزی گز سے: ایک گز چھ انچ، فٹ سے ساڑھے تین فٹ، انچ سے بیالیس انچ ہے۔

اور میٹر سے: ایک میٹر، ٦٦ ملی میٹر، ٨٠٠ میکرومیٹر۔ آئندہ جہاں بھی مطلق ذراع آیا ہے، اس سے ذراع کرباس ہی مراد ہے، ذراع مساحت نہیں۔

ایک بات یاد رکھیں کہ مالکیہ کے نزدیک اصح قول کے مطابق ذراع چھتیس انگل کا ہوتا ہے؛ یعنی: چھ سو پچاسی ملی میٹر، آٹھ سو میکرومیٹر (شرح کبیر: ١ / ٣٥٨، فواکہ دوانی: ٢ / ٦١٣)

شبر

شبر (نو انچ): دو سو اٹھائیس ملی میٹر، چھ سو میکرومیٹر (٢٢٨ ملی میٹر، ٦٠٠ میکرومیٹر)۔

شبر کے معنی ہیں بالشت، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ ذراع تقریباً دو بالشت کا ہوتا ہے:

وهو قريب من ذراع اليد؛ لأنه ست قبضات، وشيئ، وذالك شبران

''ذراع کرباس ایک ہاتھ کے لگ بھگ ہوتا ہے؛ کیونکہ ہاتھ چھ قبضہ سے معمولی زائد ہوتا ہے، نیز ہاتھ دو بالشت ہوتا ہے''۔ (ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المیاہ)

علامہ شامی نے یہ تقریبی وزن بیان فرمایا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ایک بالشت چھ انچ کا ہوتا ہے۔ اور چھ انچ کو میٹروں میں تبدیل کریں تو وہی حساب آتا ہے، جو اوپر لکھا گیا۔

باع

باع: (دو گز انگریزی): ایک میٹر، آٹھ سو اٹھائیس ملی میٹر، آٹھ سو میکرومیٹر، (تقریباً: ١ میٹر، ٨٣ سنٹی میٹر)۔ باع: انچ سے بہتر (٧٢) انچ، فٹ سے چھ فٹ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی جب دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلاتا ہے، تو ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے، اس کو باع کہتے ہیں۔

ذراع کے بیان میں معلوم ہوا کہ چار ذراع کرباس کا ایک باع ہوتا ہے:

والميل ألف باع والباع أربعة أذرع والذراع أربعة وعشرون أصبعا

(منحة الخالق، باب التيمم)

”میل ایک ہزار باع کا، باع چار ذراع کا اور ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے“۔

ذراع کرباس کی پیمائش کو چار سے ضرب دیں گے تو وہی حساب آئے گا، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

قدم

قدم (نصف ذراع): دوسو اٹھائیس ملی میٹر، چھ سو میکرو میٹر، (تقریباً: ۲۳ سنٹی میٹر۔
قدم: انچ سے نو انچ۔

پیر کا جو حصہ چلتے ہوئے زمین سے لگتا ہے؛ یعنی: انگوٹھے سے ایڑی تک کا حصہ، اس کو قدم کہتے ہیں، قدم نصف ذراع کا ہوتا ہے؛ چنانچہ تحفۃ المحتاج، مغنی المحتاج اور حاشیہ بجیرمی سب میں اس کی صراحت موجود ہے:

قوله: (الخطوة ثلاثة أقدام) والقدم نصف ذراع، فالخطوة ذراع ونصف (حاشية البجيرمي، صلاة المسافر) قال في شرح العباب والقدم نصف ذراع (تحفة المحتاج، فصل في شروط القصر) والخطوة ثلاثة أقدام. والقدمان: ذراع (مغني المحتاج، باب شروط القصر)

ذراع کرباس کی پیمائش کو دو سے تقسیم کریں گے تو وہی حساب آئے گا، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

خطوہ

خطوہ: چھ سو پچاسی ملی میٹر، آٹھ سو میکرو میٹر۔ (تقریباً: انسٹھ (٦٩) سنٹی میٹر)۔
خطوہ: انچ سے ستائیس (۲۷) انچ۔

آدمی قدم اٹھاتے ہوئے دونوں پاؤں آگے پیچھے رکھتا ہے، تو اس قدم اٹھا کر رکھنے کو خُطوۃ (خا پر زبر) کہتے ہیں، اور اگلے پیر کی انگلی سے پچھلے پیر کی ایڑی تک کے فاصلہ کو خُطوۃ

(خا پر پیش) کہتے ہیں؛ مساحت کے باب میں یہی فاصلہ مراد ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ فاصلہ تین قدم کا ہوتا ہے؛ صاحب تحفۃ المحتاج لکھتے ہیں:

والخطوۃ ثلاثۃ أقدام (تحفۃ المحتاج فصل فی شروط القصر

''خطوہ تین قدم کا ہوتا ہے''۔

مغنی المحتاج اور حاشیہ بجیرمی میں بھی یہی لکھا ہے، قدم کے بیان میں ان کی عبارتیں مذکور ہو چکی ہیں۔ اور جب قدم کی پیمائش کو تین سے ضرب دیں گے تو وہی حساب آئے گا، جو اوپر لکھا گیا۔

واضح رہے کہ بحر میں ینابیع کے حوالے سے جو میل شرعی کو چار ہزار خطوہ لکھا ہے؛ علامہ رملیؒ، پھر علامہ شامیؒ نیز مفتی محمد شفیع اور مولانا لکھنویؒ نے وضاحت کر دیا ہے کہ وہ مفتی بہ قول نہیں؛ چنانچہ میل کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی؛ اس لئے جن حضرات نے ینابیع کے قول پر اپنے حساب کا مدار رکھا ہے اور میل شرعی کی پیمائش کو چار ہزار سے ضرب دے کر خطوہ کا حساب نکالا ہے، وہ قابل اعتبار نہیں۔

اصبع

اصبع: انیس ملی میٹر، پچاس میکرومیٹر (۱۹ ملی میٹر، ۵۰ میکرومیٹر)۔

اصبع انگلی کو کہتے ہیں؛ مساحت میں انگلی کی چوڑائی مراد ہوتی ہے، ذراع کرباس چوبیس انگل ہوتا ہے، جیسا کہ معلوم ہو چکا؛ لہٰذا ذراع کرباس کے میٹروں کو چوبیس سے تقسیم کریں گے تو انگلی کی چوڑائی معلوم ہوگی؛ یعنی: انیس ملی میٹر، پچاس میکرومیٹر، جو اوپر لکھا گیا۔

شعیرۃ

شعیرۃ: تین ملی میٹر، ایک سو پچھتر میکرومیٹر (۳ ملی میٹر، ۱۷۵ میکرومیٹر)۔

شعیرۃ جو کے دانے کو کہتے ہیں، پیمائشوں میں جو کا طول نہیں، اس کی چوڑائی مراد ہوتی

ہے۔اور معلوم ہو چکا کہ چھ جو کا ایک انگل ہوتا ہے؛ لہذا انگل کے میٹروں کو چھ سے تقسیم کریں گے تو جو کی چوڑائی معلوم ہوگی؛ یعنی: تین ملی میٹر، ایک سو پچھتر میکرومیٹر، جو اوپر لکھا گیا۔

شعرة

شعرة (برذون کا بال) تقریباً: پانچ سو انتیس (۵۲۹) میکرومیٹر۔

شعرة کے معنی ہیں: بال، پیمائش کے سلسلہ میں جو شعرة کا تذکرہ آتا ہے، اس سے برذون (ترکی نسل کے گھوڑے) کے بال مراد ہوتے ہیں؛ جیسا کہ علامہ شہاب ابن الہائم، علامہ رملی اور شامی رحمہم اللہ نے لکھا ہے، عبارت برید کے بیان میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔اور یہ معلوم ہو چکا کہ چھ بال جو کے ایک دانہ کے مساوی ہوتے ہیں؛ لہذا جو کے میٹروں کو چھ سے تقسیم کرنے سے ایک بال کی چوڑائی معلوم ہوگی؛ یعنی: تقریباً پانچ سو انتیس میکرومیٹر۔

قُبضہ

قبضہ (چار انگل): بارہ ملی میٹر، سات سو میکرومیٹر (۱۲ ملی میٹر، ۷۰۰ میکرومیٹر)۔

قبضہ مٹھی کو کہتے ہیں، مساحت میں مٹھی کی چوڑائی مراد ہوتی ہے، چوڑائی میں قبضہ چار انگل کا ہوتا ہے، جبکہ انگلیاں ملی ہوئی ہوں؛ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

والمراد بالقبضة أربع أصابع مضمومة. نوح (شامی: باب المیاہ)

''قبضہ سے چار ملی ہوئی انگلیاں مراد ہیں، نوح آفندی نے ایسا ہی لکھا ہے''۔

لہذا انگلیوں کے میٹروں کو چار سے ضرب دیں گے تو مٹھی کا حساب معلوم ہوگا؛ یعنی: بارہ ملی میٹر، سات سو میکرومیٹر۔اور اوپر یہی لکھا گیا ہے۔

غلوۃ

غلوۃ (چارسوذراع کرباس): ایک سو بیاسی میٹر، آٹھ سواسی ملی میٹر۔

تیر پھینکنے پر جہاں گرتا ہے، اتنی دوری کولغت میں غلوۃ (بروزن: جلوہ) کہتے ہیں، مغرب میں ہے: الغلوۃ مقدار رمیۃ۔ تبیین الحقائق میں بھی فقط اتنا ہی لکھا ہے، لیکن دیگر حضرات نے غلوہ کی مقدار بتانے کی کوشش کی ہے، درر، کافی، سراج اور مبتغی میں لکھا ہے کہ تین سو سے چارسوذراع تک کوغلوۃ کہتے ہیں؛ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے:

قوله (ثلاثمائة ذراع) أي إلى أربعمائة درر وكافي وسراج ومبتغي

(ردالمحتار، باب التيمم)

اجناس میں ابن شجاع سے ایسا ہی منقول ہے؛ علامہ ناصرالدین مطرزیؒ لکھتے ہیں:

وفي الأجناس عن ابن شجاع في خراجه الغلوة قدر ثلثمائة ذراع إلى أربعمائة والميل ثلاثة آلاف ذراع إلى أربعة آلاف (المغرب، مادة غلوة)

"اجناس میں ابن شجاع سے منقول ہے کہ تین سو سے چارسوذراع تک کوغلوۃ کہتے ہیں، اور تین ہزار سے چار ہزار ذراع تک کومیل کہتے ہیں"۔

شافعیہ کے یہاں بھی یہی بات ملتی ہے:

ويقال هي قدر ثلاثمائة ذراع إلى أربعمائة اهبرماوي.

(حاشية الجمل، باب التيمم)

صاحب درمختار نے صرف تین ہزار ذراع کہا ہے:

(قدر غلوة) ثلاثمائة ذراع (درمختار، تيمم)

اور ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالہ سے فقط چارسوذراع لکھا ہے (باب التیمّم)۔ اوراحتیاط ظہیریہ کے قول میں ہے (لان الاحتياط في باب العبادات واجب)؛ اسی لئے فتاوی ہندیہ کے مرتبین نے اس کواختیار کیا۔ اوراوپر اسی قول کومیٹروں میں تبدیل کیا گیا ہے۔

احسن الفتاوی (۴ر۴۳۷ باب صلاۃ المسافر) میں تین سو ذراع والا قول لیا ہے؛ اس لیے غلوہ کو ایک سو سینتیس (۱۳۷) میٹر ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ملی میٹر کے مساوی لکھا ہے۔

میل

میل شرعی (چار ہزار ذراع): ۱ کلومیٹر، ۸۲۸، میٹر، ۸۰۰ ملی میٹر (تقریبا: ۱ کلومیٹر، 829 میٹر)۔ میل شرعی شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک (چھ ہزار ذراع): دوکلومیٹر، سات سو تینتالیس میٹر، دوسو ملی میٹر۔ میل مالکیہ (ساڑھے تین ہزار ذراع، ایک ذراع چھتیس انگل کا): دوکلومیٹر، چارسومیٹر، تین سو ملی میٹر۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ میل شرعی کی بات حنفیہ کے یہاں تین اقوال ملتے ہیں:

۱ چار ہزار ذراع، یہی مفتی بہ قول ہے۔

۲ تین ہزار ذراع، یہ قول اول سے مختلف نہیں، جیسا کہ بیان ہوگا۔

۳ چار ہزار خطوہ؛ یعنی: چھ ہزار ذراع۔ یہ معتمد قول نہیں۔

کئی کتب میں اس کی صراحت ہے کہ قول اول ہی قابل اعتماد ہے؛ چنانچہ علامہ شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

قوله (أربعة آلاف ذراع) كذا في الزيلعي والنهر والجوهرة، وقال في الحلية إنه المشهور كما نقله غير واحد منهم السروجي في غايته اه. وفي شرح العيني ومسكين والبحر عن الينابيع أنه أربعة آلاف خطوة؛ قال الرملي: والأول هو المعول عليه (ردالمحتار، باب التيمم)

”صاحب درمختار کا قول کہ میل چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے؛ زیلعی، نہر اور جوہرہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور (ابن امیر حاج حلبیؒ نے) حلیہ میں لکھا ہے کہ یہی قول مشہور ہے؛ جیسا کہ کئی ایک حضرات نے اس کو نقل کیا ہے؛ انہیں میں سے ایک سروجی بھی ہیں، جنھوں نے غایۃ (شرح ہدایہ) میں اس کو نقل کیا ہے۔ البتہ شرح عینی، ملا مسکین اور بحر

میں ینابیع کے حوالہ سے منقول ہے کہ میل چار خطوہ (چھ ہزار ذراع) کا ہوتا ہے۔ رملی فرماتے ہیں کہ پہلا قول ہی معتمد علیہ ہے"۔

علامہ شامی نے بحر کے حاشیہ منحۃ الخالق میں بھی یہی لکھا ہے، ہندیہ میں بھی اسی کو اقرب واصح قرار دیا ہے؛ ان سب نے زیلعی کے حوالہ سے ہی لکھا ہے؛ اس لیے فخر الدین زیلعیؒ کی عبارت بھی ملاحظہ کرلیں:

وأقرب الأقوال: الميل وهو ثلث فرسخ: أربعة آلاف ذراع بذراع محمد بن الفرج بن الشاشي طولها أربعة وعشرون إصبعا وعرض كل إصبع ست حبات من شعير ملصقة ظهرا لبطن، والبريد اثنا عشر ميلا ذكره في الصحاح (تبيين الحقائق، باب التيمم، وهندية، باب التيمم)

"معتبر قول یہ ہے کہ میل تہائی فرسخ؛ یعنی: چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے، محمد بن فرج شاشی کے ذراع سے، اوران کے ذراع کی لمبائی چوبیس انگل ہے، اور ہر انگل چھ جو کے برابر ہے، جبکہ ایک کی پشت دوسرے کے پیٹ سے ملی ہوئی ہو۔ اور برید بارہ میل کا ہوتا ہے، اس کو (جوہری نے) صحاح میں ذکر کیا ہے"۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اپنے فتاوی (۱۹۴، باب التیمم) میں تو ینابیع کے قول لیا ہے، لیکن (ص: ۴۰۷) میں تسلیم کرلیا ہے کہ یہ قول معتبر نہیں، معتبر وہی قول ہے جو زیلعی میں ہے۔

میل شافعی وحنبلی

ہاں بحر میں ینابیع کے حوالہ سے، جو چار ہزار خطوہ لکھا ہے، جس کے چھ ہزار ذراع بنتے ہیں، وہ شافعیہ کا قول ہے؛ چنانچہ مغنی المحتاج (باب شروط القصر) میں لکھا ہے:

والميل: أربعة آلاف خطوة، والخطوة ثلاثة أقدام. والقدمان: ذراع، والذراع: أربعة وعشرون أصبعا معترضات.

"میل ہزار خطوہ، خطوہ تین قدم، دو قدم ایک ذراع اور ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے، جو چوڑائی میں ہوں"۔

یہی بات بجیرمی نے اور بھی تفصیل سے لکھی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قوله: (الخطوة ثلاثة أقدام) والقدم نصف ذراع، فالخطوة ذراع ونصف، والذراع أربع وعشرون أصبعا معترضات فهو أي الميل اثنا عشر ألف قدم قوله: (والقدمان ذراع) فهو ستة آلاف ذراع

(حاشية البجيرمي على الخطيب، فصل في صلاة المسافر)

''خطوہ تین قدم، قدم نصف ذراع اور ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے، جو چوڑائی میں ہوں؛ لہذا میل بارہ ہزار قدم کا ہوگا۔ اور قدم دو ذراع ہوتا ہے؛ لہذا میل چھ ہزار ذراع ہوگا''۔

حنابلہ کے یہاں بھی صحیح قول کے مطابق میل چھ ہزار ذراع کا ہی ہوتا ہے۔

(دیکھئے: الفروع، تصحیح الفروع، باب التیمّم)

اب رہا قول ثانی کہ میل تین ہزار ذراع ہوتا ہے؛ تو اس کی بابت مولانا عبدالحیؒ نے اپنے فتاوی (ص: ۴۷۵، مسائل متفرقہ) میں اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں یہ وضاحت کی ہے کہ متقدمین کے یہاں ایک ایسا بھی ذراع تھا، جو بتیس انگشت کا تھا، اس قول میں وہی ذراع مراد لیا گیا ہے، اب ظاہر ہے کہ بتیس انگل کے ذراع سے تین ہزار ذراع کی جو مسافت ہوتی ہے، چوبیس انگل کے ذراع سے چار ہزار ذراع کی بھی وہی مسافت ہوتی ہے؛ چنانچہ چار ہزار کو چوبیس سے ضرب دیں یا تین ہزار کو بتیس سے مجموعہ: چھیانوے ہزار ہی ہوتا ہے۔

میل مالکی

مالکیہ کے نزدیک میل ساڑھے تین ہزار کا ہوتا ہے، لیکن ذراع ان کے یہاں چھتیس انگل کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ شرح کبیر للدردیر اور فواکہ دوانی وغیرہ میں مذکور ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ ائمہ ثلاثہ کا میل بہرحال میل حنفی سے بڑا ہے؛ پس جن

حضرات نے حنفیہ کے اڑتالیس میل اور ائمہ ثلاثہ کے اڑتالیس میل کو مساوی سمجھا ہے، انہوں نے براہ راست ائمہ ثلاثہ کی کتب سے استفادہ نہیں کیا، محض ظن تخمین سے کام لیا ہے۔ احسن الفتاوی کا مطالعہ کرتے وقت اس نکتہ کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

بحری میل

مولانا رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے لکھا ہے کہ بحری میل ۲۰۲۶ء۶۷ گز کا ہوتا ہے (احسن الفتاوی: ۸۶/۴)۔ اور ایک گز مساوی ہوتا ہے: ۹۱۴ ملی میٹر، ۴۰۰ میکرو میٹر کے؛ لہذا ایک میل بحری مساوی ہوگا: ۱۸۵۳ میٹر ۱۸۷ ملی میٹر ۴۸ میکرو میٹر کے۔

برید

برید (۱۲ میل شرعی): اکیس کلومیٹر، نوسو پینتالیس میٹر، چھ سو ملی میٹر۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ برید چار فرسخ اور فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے؛ لہذا برید بارہ میل شرعی کا ہوا؛ اس پر سب کا اتفاق ہے؛ چنانچہ فتح القدیر میں لکھا ہے:

إن البريد من الفراسخ أربع، ولفرسخ فثلاث أميال ضعوا

(فتح القدير، باب التيمم)

’’بیشک برید فرسخ سے چار فرسخ کا ہوتا ہے، اور فرسخ کو تین میل مانو‘‘۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں یہی لکھا ہے:

والفرسخ ربع البريد (شامي، باب التيمم)

’’فرسخ برید کا چوتھائی (تین میل) ہے‘‘

علامہ شامیؒ نے منحۃ الخالق میں علامہ رملیؒ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے:

ورأيت في القلادة الجوهرية ما صورته: قال صاحبنا أبو العباس أحمد شهاب الدين بن الهائم رحمه الله وإليه يرجع في هذا الباب: البريد أربعة فراسخ والفرسخ ثلاثة أميال (منحة الخالق، باب التيمم)

''میں (رملی) نے قلادہ جوہریہ میں دیکھا ہے، جس کی عبارت یہ ہے کہ ہمارے شیخ ابوالعباس احمد شہاب الدین بن الہائمؒ، جو اس باب میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ برید چار فرسخ اور فرسخ تین میل کا ہوتا ہے''۔

اس بات پر شافعیہ، بلکہ ائمہ ثلاثہ بھی متفق ہیں؛ چنانچہ اسنی المطالب میں لکھا ہے:

فعلم أن البريد أربعة فراسخ، وأن الفرسخ ثلاثة أميال

(فصل السفر الذي تقصر فيه الصلاة)

''یہ معلوم ہوا کہ برید چار فرسخ اور فرسخ تین میل کا ہوتا ہے''۔

یہی بات مغنی المحتاج وغیرہ میں بھی ہے (دیکھئے: باب شروط القصر)

فقہاء کی عبارات میں میل سے میل شرعی مراد ہے یا انگریزی

یہاں ایک طالبعلمانہ سوال ہوتا ہے کہ ان عبارتوں سے یہ تو معلوم ہوا کہ برید بارہ میل کا ہوتا ہے؛ مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ میل شرعی مراد ہے یا میل انگریزی؟ اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ جن فقہاء و اصحاب لغت نے برید کو بارہ میل بتلایا ہے، وہ انگریزوں سے بہت پہلے کے ہیں، ان کے زمانے میں انگریزی میل کا نہیں شرعی میل کا رواج تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جہاں برید کو بارہ میل اور فرسخ کو تین میل لکھا ہے، وہیں میل کو چار ہزار ذراع لکھا ہے اور ذراع کو چوبیس انگل لکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ چوبیس انگل کے ذراع سے چار ہزار ذراع میل شرعی ہوتا ہے، میل انگریزی نہیں، وہ تو شرعی میل سے بہت چھوٹا ہے؛ چنانچہ علامہ شامی کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال الرملي: --- ورأيت في القلادة الجوهرية ما صورته قال صاحبنا أبوالعباس أحمد شهاب الدين بن الهائم رحمه الله وإليه يرجع في هذا الباب البريد أربعة فراسخ والفرسخ ثلاثة أميال والميل ألف باع والباع أربعة أذرع والذراع أربعة وعشرون أصبعا والأصبع ست شعيرات مرصوصة بالعرض والشعير ست شعرات بشعر البرذون اهـ كلامه، وهو

موافق لما في الزيلعي ... فتحصل من هذا كله أن ما نقله الزيلعي هو المعول فتأمل اھ. كلام الرملي ملخصا (منحة الخالق، باب التيمم)

"علامہ رملی فرماتے ہیں کہ میں نے قلادہ جوہریہ میں اس طرح لکھا دیکھا ہے: ہمارے شیخ ابوالعباس محمد شہاب الدین بن الہائمؒ، جواس باب میں مرجع ہیں، فرماتے ہیں کہ برید چار فرسخ، فرسخ تین میل، میل ہزار باع، باع چار ذراع، ذراع چوبیس انگل اور انگل چھ جو کا ہوتا ہے، جو چوڑائی میں ملے ہوئے ہوں، اور جو تر کی گھوڑے کے چھ بال کے برابر ہوتا ہے۔ ابن الہائم کی بات مکمل ہوئی۔ اور ابن الہائم کی بات زیلعی کے موافق ہے۔۔۔ اور ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ زیلعی کا قول راجح ہے۔ رملی کی بات مختصراً پوری ہوئی"۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جن اردو رسائل میں برید کو بارہ میل انگریزی لکھا ہے، وہ تسامح ہے، اور جن لوگوں نے اسی پر حساب کر کے چار برید کو اڑتالیس میل انگریزی لکھا اور یہ کہا کہ میل شرعی کی تصریح نہیں ملتی؛ وہ ان کا تساہل ہے۔

فرسخ

فرسخ (تین میل شرعی): پانچ کلومیٹر، چار سو چھیاسی میٹر، چار سو ملی میٹر۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ فرسخ تین میل شرعی ہوتا ہے۔ تین میل تو سب نے لکھا ہے، اور شرعی کی قید اس لئے کہ فرسخ کو تین میل لکھنے والوں نے میل کو چار ہزار ذراع لکھا ہے، اور چار ہزار ذراع کا میل شرعی ہوتا ہے، انگریزی نہیں؛ اس کی تفصیل ابھی برید کے بیان میں گذر چکی۔

جب ثابت ہو چکا کہ فرسخ تین میل شرعی ہوتا ہے، تو میل شرعی کے میٹروں کو تین سے ضرب دینے سے وہی حساب آتا ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

مرحلة

ایک دن میں آدمی یا سواری کا اونٹ متوسط رفتار سے جتنا چل سکتا ہے، اس مسافت کو مرحلہ کہتے ہیں، اور دن بھر چلنے سے یہ مراد نہیں کہ چوبیس گھنٹے چلتا رہے، بلکہ صبح سے زوال تک چلنا مراد ہے؛ علامہ حصکفی درمختار باب صلاۃ المسافر میں لکھتے ہیں:

ولا يشترط سفر كل يوم إلى الليل، بل إلى الزوال

''ہر دن رات تک چلنا ضروری نہیں، بلکہ زوال تک چلنا کافی ہے''۔

مرحلہ کسی خاص مسافت کا نام نہیں، بلکہ ہر علاقے اور ہر زمانے میں اس میں تفاوت ناگزیر ہے؛ کیونکہ میدانی علاقوں میں ایک دن میں جتنی مسافت طئے کی جاسکے گی، پہاڑی علاقوں میں متوسط رفتار سے اتنا چلنا ممکن نہ ہوگا؛ اسلاف ایک دن میں جتنی مسافت طئے کر لیتے تھے، ہمارے لئے اتنا چلنا ممکن نہیں؛ اسی لئے صحیح بات یہ ہے کہ مرحلہ کی نہ کوئی مقدار متعین کی جاسکتی ہے، نہ کی گئی ہے۔

بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جگہ پڑاؤ کے لائق نہ ہو تو اور آگے جا کر پڑاؤ کرتے تھے، اس وجہ سے بھی مرحلہ کی مقدار میں فرق ہوتا رہتا ہے؛ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ مکہ سے مدینہ دس مرحلہ پر ہے، مسافر تیرہ دن میں اس کو طئے کرتے تھے؛ مشہور مؤرخ اور جغرافیہ دان محمد بن اسحاق یعقوبیؒ کتاب البلدان (۱/۳۴) میں لکھتے ہیں:

''مدینہ سے مکہ تک دس مرحلے ہیں: پہلا ذوالحلیفہ، یہ مدینہ سے چار میل پر ہے، دوسرا حفیرہ، تیسرا امل، چوتھا سیالہ پانچواں روحاء، چھٹا رویثہ، ساتواں عرج، آٹھواں سقیا، نواں ابواء، دسواں جحفہ، گیارہواں عسفان، بارہواں مرالظہران، تیرہواں مکہ''۔

ان مرحل کی درمیانی مسافت کیا تھی؟ مشہور جغرافیہ دان ابن خرداذبہ فرماتے ہیں:

''مکہ سے مدینہ کا راستہ: مدینہ سے شجرہ (ذوالحلیفہ) یہ پڑاؤ تو نہیں، لیکن یہیں سے

احرام باندھا جاتا ہے، یہ مدینہ سے چھ میل ہے، ذوالحلیفہ سے ملل بارہ میل، ملل سے سیّالہ انیس میل، سیالہ سے رُویثہ چونتیس میل، رویثہ سے سقیا چھتیس میل، سقیا سے ابواء انتیس میل، ابواء سے جُحفہ ستائیس میل، جحفہ سے قُدید چھبیس میل، قدید سے عُسفان چوبیس میل، عسفان سے بطن مَرّ (مرالظہران) سولہ میل اور بطن مر سے مکہ سولہ میل ہے"۔ (المسالک والممالک:۱/۴۸)

خلاصہ یہ ہوا کہ مراحل میں فاصلہ سے زیادہ اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ جگہ پڑاؤ کے قابل ہے یا نہیں؛ اس لئے مراحل کی درمیانی مسافت میں کافی فرق ہوجاتا تھا؛ لہٰذا مرحلہ کی میلوں سے کوئی تعیین نہیں کی جاسکتی۔

جریب

جریب: ساٹھ ذراع چوڑا، ساٹھ ذراع لمبا (یعنی تین ہزار مربع ذراع)۔

جریب: چوسٹھ میٹر، آٹھ ملی میٹر چوڑا، اور اتنا ہی لمبا۔ (یعنی تقریباً: چار ہزار ستانوے مربع میٹر)۔

فٹ سے: دوسودس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا۔

انچ سے: دو ہزار، پانچ سو، بیس انچ لمبا اور اتنا ہی چوڑا۔

حضرت عمرؓ نے عراق میں قابل کاشت زمینوں پر ہر ایک جریب پر ایک صاع غلہ اور ایک درہم نقد لگان (خراج) لگایا تھا۔ اب جریب سے کیا مراد ہے، اس میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے؛ شیخ الاسلام خواہرزادہ نے فرمایا کہ جریب کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں، جس علاقہ میں جس قدر قطعہ زمین کو جریب کہا جاتا ہوگا، اس پر مذکورہ خراج عائد ہوگا۔ علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ یہ قول درست نہیں؛ اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کہیں پچاس گز زمین کو جریب کہا جاتا ہو تو اس میں بھی ایک ہی قفیز خراج ہوگا، اور سو گز کو جریب کہا جاتا ہو تو بھی ایک ہی قفیز خراج ہوگا، ظاہر ہے یہ بات فقہی اعتبار سے بعید ہے؛ اس لئے صحیح یہ ہے کہ

جریب وہ قطعہ زمین ہے، جو ساٹھ ذراع لمبا اور ساٹھ ذراع چوڑا ہو، اور اس جگہ ذراع سے ذراع کسری (ذراع مساحت) مراد ہے، ذراع کرباس نہیں؛ چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

والمراد من الجريب أرض طولها ستون ذراعا وعرضها كذلك بذراع الملك كسرى وهو يزيد على ذراع العامة بقبضة فهو سبع قبضات لأن ذراع العامة ست (فتح القدير: باب العشر والخراج)

''جریب سے اتنی زمین مراد ہے، جو ساٹھ ذراع لمبی ساٹھ ذراع چوڑی ہو، ذراع کسری سے، اور ذراع کسری ذراعامہ (ذراع کرباس) سے ایک قبضہ زیادہ؛ یعنی سات قبضہ ہے؛ کیونکہ ذراع کرباس چھ قبضہ ہوتا ہے''۔

جب یہ طئے ہوگیا کہ یہاں ذراع مساحت مراد ہے، تو اب ذراع مساحت کے میٹروں کو ساٹھ سے ضرب دیں گے تو وہی حساب ہوگا، جو اوپر مذکور ہوا۔ اور مربع کا مطلب ہوتا ہے: چاروں طرف یکساں۔ طول کو عرض میں ضرب دینے سے جو حساب آتا ہے، وہی مربع کہلاتا ہے۔

باب چہارم

وہ مسائل جو وزن، کیل یا مساحت سے متعلق ہیں

اس باب میں ان مسائل کو بیان کرنے کا ارادہ ہے، جن کا تعلق اوزان، پیمانوں یا مساحتوں سے ہے، مسائل فقہ حنفی کے مطابق ہوں گے، ضمناً دیگر ائمہ کا بھی تذکرہ آسکتا ہے، مفتی بہ اقوال پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور فقہی ترتیب کی رعایت کی گئی ہے۔

کتاب الطھارۃ

وضو اور غسل کے پانی کی مقدار

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وضو میں ایک مد اور غسل میں پانچ مد پانی استعمال کرتے تھے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَغْتَسِلُ بِخَمْسِ مَكَاكِيكَ وَيَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ.

(مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة)

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پانچ مکوک سے غسل اور ایک مکوک سے وضو کیا کرتے تھے''۔

اس حدیث میں مکوک سے مکوک عراقی نہیں، بلکہ مد مراد ہے۔

ایک اشکال کا جواب

روایت بالا میں تو رسول اللہ ﷺ کا پانچ مد سے غسل کرنا ثابت ہوتا ہے؛ جبکہ دیگر بہت سی روایات میں ایک صاع (۴ مد) سے غسل کرنا مذکور ہے۔

امام طحاویؒ نے اس تعارض کا بہت عمدہ حل پیش کیا ہے؛ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں چار مد سے غسل کرنا مذکور ہے، اس میں صرف اس مقدار کا بیان ہے جو غسل میں استعمال

ہوتا تھا، لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ حضور ﷺ غسل سے پہلے وضو کرتے تھے، اب جس راوی نے پانچ مد سے غسل کرنا بیان کیا ہے اس کی مراد یہ ہے پہلے ایک مد سے وضو فرماتے تھے، پھر چار مد سے غسل فرماتے تھے (طحاوی: باب الصاع کم ھو)۔

فتوی اس پر ہے کہ وضو اور غسل میں پانی کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں، بس اسراف وبخل سے بچنا ضروری ہے۔ لیکن واضح رہے کہ سلف کے قصے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث میں بیان کردہ مقدار تک محدود رہنے کی کوشش کرتے تھے، اور اس کو سراہتے تھے، اور اس سے تجاوز کرنے پر نکیر کرتے تھے؛ مسند احمد کی روایت ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا. فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ إِنَّ شَعْرِي كَثِيرٌ فَقَالَ جَابِرٌ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَكْثَرَ شَعَرًا مِنْكَ وَأَطْيَبَ. (مختصرا)

''حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ (غسل میں) سر پر تین لپ پانی ڈالا کرتے تھے، اس پر ایک ہاشمی مرد نے یوں کہا کہ میرے بال تو بہت زیادہ ہیں (یعنی میرا کام تین لپ سے نہ بنے گا) حضرت جابرؓ نے فرمایا: رسول اللہ کے بال تجھ سے زیادہ تھے اور اچھے تھے (جب بھی تین لپ ہی پر اکتفا کرتے تھے)۔

سنن ابن ماجہ میں صحیح سند حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی طرح کا سوال وجواب مروی ہے (دیکھیے: باب الغسل من الجنابۃ)۔

نسائی کی سنن کبریٰ (حدیث نمبر: ۲۳۳) میں یہ بھی مروی ہے:

عن أبي جعفر قال تمارينا في الغسل عند جابر بن عبد الله فقال جابر يكفي من الغسل من الجنابة صاع من ماء قلنا ما يكفي صاع ولا صاعان قال جابر قد كان يكفي من كان خيرا منكم وأكثر شعرا

''حضرت ابوجعفرؒ (محمد بن علی) فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کے پاس ہم میں بحث ہوئی تو حضرت جابرؓ نے فرمایا: غسل جنابت کے لیے ایک صاع پانی کافی ہے، ہم

نے عرض کیا کہ ایک صاع تو کیا دو صاع بھی کافی نہیں ہوسکتا؛ حضرت جابرؓ نے فرمایا: اس ذات کو ایک صاع کافی ہوجاتا تھا جو تم سے افضل تھی اور بال بھی ان کے زیادہ تھے"۔

اس لئے عام حالات میں اسی مقدار پر اکتفاء کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے اور ایسا جب ہوگا کہ نل کے بجائے لوٹے سے وضو کیا جائے، یا نل کو بار بار کھول بند کیا جائے، مسلسل کھول کر نہ رکھا جائے۔ آج کل درمیان وضو نل مسلسل کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے، جس سے بہت پانی ضائع ہوجاتا ہے، بلاشبہ یہ افسوس کا مقام ہے کہ کفار وفساق تو پانی بچاؤ تحریک چلائیں اور اللہ کے نیک بندے خود اللہ کے نام پر ہزاروں لیٹر پانی روزانہ بے مصرف گندے نالے میں بہادیں۔

تیمم سے قبل کتنی دور تک پانی تلاش کرنا واجب ہے

باب تیمم میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مسافر ایک میل پانی سے دور ہو تو اس کے لیے تیمم درست ہے؛ لیکن اگر غالب گمان ہو کہ پانی قریب ہی کہیں موجود ہے تو ایک غلوۃ تک پانی تلاش کرنا لازم ہے، اس لئے اسے چاہئے کہ ایک غلوۃ خود جائے یا کسی معتبر کو بھیجے، یا ٹیلے پر چڑھ کر دیکھ لے کہ پانی ہے یا نہیں۔

اب ایک اختلاف یہ ہے کہ چاروں اطراف کا مجموعہ ایک غلوۃ ہونا چاہئے یا چاروں طرف ایک ایک غلوۃ تلاش ضروری ہے؟ صاحب نہر نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے، علامہ شامی نے بھی اسی کو اقرب کہا ہے: والاقرب الاول کما مر عن النهر (ردالمحتار: ۱/ ۴۱۵)۔

اور غلوۃ کے بیان میں ہندیہ کے حوالہ سے گذر چکا کہ راجح قول کے مطابق چار سو ذراع کا ایک غلوۃ ہوتا ہے؛ لہذا ہر چہار جانب سو سو ذراع تک پانی تلاش کرنا ہوگا۔ اور سو ذراع کرباس کی مقدار ہے: پینتالیس میٹر، سات سو بیس ملی میٹر۔

تیمم کب جائز ہے

اگر کسی کو یہ غلبہ ظن ہے کہ پانی ایک میل دور ہے تو اس کے لئے تیمم کرلینا درست ہے، صاحب ہدایہ نے اسی کو مسلک مختار کہا ہے، بدائع میں اس کو اقرب الاقوال لکھا ہے، شامیؒ نے اسی کی تائید کی ہے؛ اس لئے فتوی بھی اسی پر ہے (دیکھئے: ردالمحتار: ۱/۲۹۶)۔ میل کی مقدار باب سوم میں دیکھئے۔

نجاست غلیظہ کتنی معاف ہے

نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ کپڑا اور بدن نجاست سے پاک ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی طئے ہے کہ قلیل نجاست معاف ہے، البتہ کثیر نجاست مانع صلاۃ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں: غلیظہ اور خفیفہ۔ نجاست غلیظہ اگر ایک مثقال سے کم ہو، تو اس کو دھونا مستحب ہے اور اس کو دھوئے بغیر نمام پڑھ لینا مکروہ تنزیہی ہے، اگر ایک مثقال کے بقدر ہو تو دھونے کی اور بھی زیادہ تاکید ہے، مگر دھوئے بغیر بھی نماز ہوجائے گی، اور اگر ایک مثقال سے زائد ہے تو اس کو پاک کرنا شرط ہے، پاک کیے بغیر نماز نہیں ہوگی؛ چنانچہ علامہ ابن امیر حاج حلبی نے حلیہ شرح منیہ میں لکھا ہے:

والأقرب أن غسل الدرهم ومادونه مستحب مع العلم به، والقدرة على غسله، فتركه حينئذ خلاف الأولى، نعم الدرهم غسله آكد ممادونه، فتركه أشد كراهة (ردالمحتار: ١: ٥٢٠)

’’اقرب الی الدلیل یہ ہے کہ ایک درہم اور اس سے کم نجاست غلیظہ کو دھونا مستحب ہے؛ اگر نجاست کا علم ہو اور اس کو پاک کرنے پر قدرت ہو، لہذا نجاست کو باقی رکھنا خلاف اولی ہوگا، ہاں! ایک درہم کے بقدر ہو تو اس کو دھونا زیادہ مؤکد ہے؛ لہذا قدرِ درہم کو نہ دھونا زیادہ مکروہ ہوگا‘‘۔

ینابیع میں قدر درہم کے دھونے کو واجب کہا ہے، اور نہ دھونے کو مکروہ تحریمی کہا ہے،

لیکن علامہ شامی نے فتح القدیر، نہایہ، محیط اور عام متون سے حلبی ہی کی بات کو راجح قرار دیا ہے۔ احسن الفتاوی میں اسی پر فتوی ہے۔ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک اقرب الی الدلیل وہی قول ہے جو ینابیع میں ہے، اگرچہ شامی نے اس کے برخلاف کو راجح کہا ہے۔ ہمارے اصحاب درس کا رجحان اعلاء السنن کی تحقیق ہی کی طرف ہے۔

ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے؛ اکثر کتابوں میں اس مقام پر درہم ہی کا لفظ آیا ہے، مگر اس سے وہ درہم مراد نہیں، جو دینار سے چھوٹا ہوتا ہے، بلکہ دینار کا ہم وزن درہم مراد ہے، جس کو درہم مثقالی اور درہم کبیر بھی کہتے ہیں؛ درہم کی یہ تفسیر خود امام محمد سے منقول ہے؛ شامیؒ لکھتے ہیں:

قوله: وهو مثقال، هذا هو الصحيح، (بحر)... وأفاد أن الدرهم هنا غيره في باب الزكوة (ردالمحتار: ۱: ۵۲۲)

"صاحب تنویر کا فرمانا کہ درہم ایک مثقال کا ہوگا، یہی صحیح ہے (بحر) نیز یہ بھی بتادیا کہ یہاں باب زکوۃ والا درہم مراد نہیں"۔

اب سوال یہ ہے کہ درہم کی چوڑائی مراد ہے یا اس کا وزن؟ امام محمد سے یہ بھی منقول ہے کہ درہم سے ہتھیلی کی گہرائی مراد ہے، اور یہ بھی مروی ہے کہ درہم سے ایک مثقال مراد ہے؛ اسی لئے مشائخ کا بھی اختلاف ہوا ہے؛ بعض نے وزن مراد لیا ہے، بعض نے چوڑائی۔ شیخ ابوجعفر ہندوانیؒ نے یہ تطبیق دی ہے کہ نجاست جرم (جسم) والی ہو تو وزن کا اعتبار ہوگا، اور پتلی ہو تو پھیلاؤ کا اعتبار ہوگا۔ بقول شامی: زیلعی، زاہدی اور ابن ہمام رحمہم اللہ سمیت بہت سے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے (شامی: ۱/ ۵۲۲)۔

مثقال کا وزن تو دینار کے باب میں دیکھ سکتے ہیں۔ عرض کف کی چوڑائی کتنی ہوگی؟ مولانا رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں لکھ دیا ہے، تحقیق کے شائقین وہاں دیکھ لیں،

آسانی کے لئے بس اتنا یاد رکھیں کہ ہتھیلی میں پانی جہاں تک پانی رکا رہے، وہی عرض کف ہے۔(شامی:۱/ ۵۲۰)

نجاست خفیفہ کتنا معاف ہے

نجاست خفیفہ چوتھائی حصہ تک معاف ہے، چوتھائی سے زیادہ لگ جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ چوتھائی سے کیا مراد ہے پورے بدن اور پورے کپڑے کا چوتھائی، یا ہر عضو اور ہر حصہ کا چوتھائی۔ مبسوط میں پہلے قول کو راجح کہا ہے، اور صاحب نہر اور علامہ حصکفیؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، لیکن تحفۃ الفقہاء، محیط، مجتبی اور سراج میں دوسرے قول کو صحیح کہا ہے، اور حقائق میں اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے؛ اسی لئے شامیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔ (دیکھیے: ردالمحتار:۱/ ۵۲۴)

دہ دردہ حوض کی پیمائش

ماء قلیل ناپاکی گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے، خواہ گندگی تھوڑی ہو اور اس کا اثر پانی میں ظاہر ہو یا نہ ہو، جبکہ ماء کثیر میں اگر نجاست گر جائے، تو جب تک نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو ناپاک نہیں ہوتا۔

ماء قلیل اور ماء کثیر کی حد کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اگر پانی کا رقبہ (پھیلاؤ) اتنا ہے کہ وضو کرنے والا ایک طرف بیٹھ کر وضو کرے تو دوسری طرف کا پانی نہ ہلے تو وہ پانی کثیر ہے، ورنہ قلیل۔ ہلنے سے مراد یہ ہے کہ ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف پانی اوپر نیچے نہ ہو، صرف ارتعاش اور لہروں کا اعتبار نہیں۔

فقہائے متاخرین نے اپنے تجربے سے یہ واضح کیا کہ اگر کسی حوض کی لمبائی چوڑائی دس دس ذراع ہو تو ایک طرف کی حرکت سے دوسرے کنارے کو حرکت نہ ہوگی؛ لہذا دہ دردہ حوض حوض کبیر اور اس کا پانی ماء کثیر ہوگا۔ اور عوام کو چونکہ اس کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں ہوتی کہ کس طرح اندازہ لگایا جائے؛ اس لئے اسی تعیین وتحدید پر فتوی دیا جانے لگا۔ یہ ساری بحث

آپ شامی باب المیاہ میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

آپ ذراع کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں ذراع سے ذراع کرباس مراد ہے، اور ذراع کرباس: ۴۵۷ ملی میٹر، ۲۰۰ میکرو میٹر ہوتا ہے؛ اس کو دس سے ضرب دیں تو مجموعہ: چار(۴) میٹر، پانچ سو بہتر (۵۷۲) ملی میٹر ہوتا ہے؛ لہذا جو حوض اتنا لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہو وہ حوض کبیر ہوگا۔ ہو سکے تو مدارس و مساجد میں حوض کم از کم اس رقبہ کا بنوانا چاہئے تاکہ بار بار کی ناپاکی کے مسئلہ سے امن رہے۔

عشر فی عشر کی تعبیر

دس کو دس میں ضرب دینے سے حاصل ضرب سو آتا ہے، دہ در دہ یا عشر فی عشر کی تعبیر کا یہی مطلب ہے کہ اس حوض کا کل رقبہ سو ذراع ہو؛ اور ظاہر ہے کہ جو حوض دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو، اس کا کل رقبہ سو ہاتھ ضرور ہوگا۔ جو اصطلاحات سے واقف نہیں ان کو اس طرح سمجھایا جا سکتا ہے کہ کاپی پر ایک لکیر لمبائی میں کھینچ لیں جس میں فاصلہ فاصلہ سے ایک سے دس تک لکھا ہوا ہو، پھر ایک دوسری لکیر چوڑائی میں اسی طرح کھینچ دیں، پھر باقی دو اطراف سے لکیر کھینچ کر مربع (چوکور ڈبہ) کی شکل مکمل کر لیں، اس کے بعد پھر اعداد کو ملا کر خانے بنالیں، جب خانوں کو شمار کریں گے تو کل سو خانے ہوں گے۔ یہی مطلب ہے دہ در دہ کی تعبیر کا۔ گویا اصطلاحی اعتبار سے یوں کہیں گے کہ جس حوض کا کل رقبہ: ۲۰ میٹر، ۹۰۷ ملی میٹر ہو وہ حوض کبیر ہے۔ بعض لوگوں نے صرف ۲۰ میٹر لکھا ہے، بندہ کے نزدیک یہ حساب کی غلطی ہے۔

دو قلہ کی مقدار

امام شافعیؒ کے نزدیک دو قلہ پانی کثیر ہوتا ہے، اس سے کم پانی قلیل مانا جاتا ہے۔ باب دوم میں معلوم ہو چکا کہ دو قلہ: ایک سو اکتالیس کلو، سات سو سترہ گرام، چھ سو ملی گرام (۱۴۱ کلو، ۷۱۷ گرام، ۶۰۰ ملی گرام) کے مساوی ہے۔

کتاب الصلاۃ

مدینہ سے قبا کی مسافت

نمازِ عصر کے بارے میں روایتوں میں یہ آتا ہے کہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والتسلیم میں نمازِ عصر ادا کر کے آدمی پیدل چل کر جب قبا پہنچتا تو سورج ابھی بلند ہوتا تھا (مؤطا مالک، بخاری) اس سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثل ختم ہوتے ہی نماز عصر ادا کرلیا کرتے تھے، اگر مثل ثانی کے بعد نماز پڑھی جائے، جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے تو سورج پیلا ہونے سے قبل قبا پہنچنا ممکن نہیں؛ کیونکہ قبا مدینہ سے تین میل دور ہے (نووی)۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مسجد بنوی میں نماز پڑھ کر جاتے تو قبیلہ بنوعمرو بن عوف میں نماز عصر ہورہی ہوتی تھی (مؤطا، بخاری، مسلم)۔ یہ قبیلہ قبا میں تھا اور مدینہ سے دو میل دور تھا (زرقانی بحوالہ نووی)۔

ایک روایت میں قبا کے بجائے عوالی مدینہ کا نام آیا ہے، اور عوالی مدینہ کی بستیاں مدینہ سے دو میل، تین میل، چار میل، پانچ میل کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بلکہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ بعض دس میل کی مسافت پر بھی ہیں (زرقانی)۔

ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ ان مختلف روایات سے یہ اندازہ قائم کرنا دشوار ہے کہ مسجد نبوی میں نماز کب ہوتی تھی؛ کیونکہ ایک تو اس میں اختلاف ہورہا ہے کہ مدینہ سے قبا کا فاصلہ کتنا ہے، دوسرے قبا کتنے وقت میں پہنچا جاسکتا ہے، اس میں تیز رفتاری یا سست رفتاری کی وجہ سے کافی کچھ فرق ہوسکتا ہے۔

(اوجز المسالک: ۱/۲۹۱)

بندہ کہتا ہے کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھ کر حضرت انس وغیرہ اسی مقصد کے لئے قبا جاتے تھے کہ اپنے محلہ والوں کو نماز کی اطلاع دیں۔ ظاہر ہے ایسے

وقت رفتار تیز ہی ہوتی ہے۔ بہر حال ان روایات سے حنفیہ کے مسلک کے خلاف استدلال کرنا محل نظر ہے۔

طلوع وغروب کے وقت مکروہ وقت کی مقدار

سورج طلوع ہوتے وقت کوئی بھی نماز پڑھنا گناہ ہے، جب تک سورج میں اتنی روشنی نہ آجائے کہ اس پر آنکھ نہ ٹھہر سکے۔

اسی طرح شام کے وقت سورج پیلا ہو جانے کے بعد غروب تک وقت مکروہ رہتا ہے، اس وقت بھی کوئی نماز پڑھنا گناہ ہے، البتہ اگر اسی دن کی عصر کی نماز کسی وجہ سے نہ پڑھ سکا ہو تو پڑھ لینا ضروری ہے، قضا کر دینا گناہ ہے۔

سورج میں مطلوبہ روشنی آنے میں کتنے منٹ درکار ہوتے ہیں یا زردی آنے کے کتنے منٹ بعد سورج غروب ہو جاتا ہے؟ موسم اور مقام کے فرق سے اس میں تغیر وتبدل ہو سکتا ہے؛ اس لئے ہر جگہ کے لئے کوئی ایک فیصلہ مفید نہیں۔ جو حضرات جنتری بنانا چاہتے ہیں، ان کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ مولانا رشید احمد صاحبؒ نے اس کا ضابطہ احسن الفتاوی میں لکھ دیا ہے، وہاں دیکھ لینا چاہئے۔

مقام سجدہ کی اونچائی

سنت یہ ہے کہ سجدہ اونچی جگہ پر نہ کیا جائے، سر اور پیر کی جگہ برابر ہو، اگر سجدہ کی جگہ نصف ذراع سے زیادہ اونچی ہوئی تو سجدہ معتبر نہ ہوگا، الا یہ کہ ازدحام کی وجہ سے کوئی اور جگہ میسر نہ۔ اگر ازدحام نہ ہو تو بھی سجدہ گاہ نصف ذراع اونچی ہو سکتی ہے، مگر یہ عمل مکروہ ہے:

(ولو كان موضع سجوده أرفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوبتين جاز) سجوده (وإن أكثر لا) إلا لزحمة كما مر والمراد لبنة بخاري وهي ربع ذراع عرض ستة أصابع فمقدار ارتفاعهما نصف ذراع ثنتا عشرة أصبعا ذكره الحلبي (در مختار: ۱: ۵۰۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ذراع کرباس کا نصف مراد ہے؛ کیونکہ وہی ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے، اورشامی نے ذراع کرباس کی صراحت بھی کی ہے۔ اور یہ معلوم ہو چکا کہ ذراع کرباس اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے؛ تواس کا نصف نوانچ ہوا نوانچ میٹر سے: ۲۲۸ ملی میٹر، ۶۰۰ میکرومیٹر ہوتا ہے۔

سترہ کتنا لمبا ہو

مصلی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں کسی کے سامنے سے گذرنے کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ اپنے سامنے کوئی لکڑی وغیرہ کھڑی کرلے، اسی کو سترہ کہتے ہیں۔ سترہ کی لمبائی ایک ذراع ہونی چاہئے۔ ذراع سے ذراع ید مراد ہے، جو دو بالشت کا ہوتا ہے۔

(ردالمحتار: ۲/ ۴۰۲)

البتہ موٹا کتنا ہو، اس میں اختلاف ہے، ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کم ازکم ایک انگل موٹا ہونا چاہئے، لیکن بدائع میں اس کو قول ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ موٹائی طے نہیں، شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، شامی لکھتے ہیں کہ مستدرک حاکم کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (حوالہ سابق)۔ اس کے مطابق اگر اوپر سے نیچے تک کوئی پردہ لٹک رہا ہو تو وہ بھی سترہ بن سکتا ہے۔

سترہ مصلی سے زیادہ دور نہیں ہونا چاہئے، زیادہ سے زیادہ تین ذراع دور ہو سکتا ہے؛ چنانچہ بحر میں حلیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

''سنت یہ ہے کہ سترہ مصلی سے تین ذراع سے زیادہ دور نہ ہو'' (حوالہ سابق)

مسجد کبیر اور صغیر کی پیمائش

مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا سخت گناہ ہے۔ لیکن اس میں تفصیل ہے کہ کتنی دور سے گذرنا جائز ہے؛ اگر کوئی چھوٹا کمرہ یا چھوٹی مسجد ہو تو بہرحال سامنے سے گذرنا جائز نہیں، یا تو سترہ کا انتظام کرے یا مصلی کے سلام کا انتظار کرے۔ اور اگر کھلی جگہ ہو یا

بڑا ہال یا بڑی مسجد ہو تو سجدہ کی جگہ نگاہ جمانے سے جہاں تک نگاہ پھیلتی ہو، اس کے آگے سے گذرنا درست ہے۔ (ردالمحتار: ۲/ ۳۹۸)

مسجد کبیر کی بابت دو قول ہیں: (الف) ساٹھ ذراع لمبی (ب) چالیس ذراع لمبی؛ دوسرا قول مختار ہے (ایضاً) چالیس ذراع کے اٹھارہ (۱۸) میٹر، دو سو اٹھاسی (۲۸۸) ملی میٹر ہوتے ہیں، اور فٹ سے ساٹھ فٹ ہوتے ہیں؛ کیونکہ ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔

کتنی مالیت کا سامان گم ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ دینا جائز ہے

دوران نماز ہانڈی ابل پڑی یا چور سامان لے کر بھاگ رہا ہے اور وہ سامان ایک درہم کی مالیت کا ہے تو نماز توڑ دینا درست ہے؛ خواہ نفل نماز ہو یا فرض؛ عالمگیری (۱/ ۵۷) میں لکھا ہے:

رجل قام الی الصلاۃ فسرق منه شيئ قیمته درهم له أن یقطع الصلاۃ ویطلب السارق سواء کانت فریضة أو تطوعا، لأن الدرهم مال

بہشتی زیور میں جو تین چار آنہ کا سامان لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت درہم کی مالیت تین چار آنہ تھی (خیرالفتاوی: ۲/ ۴۶۸)۔ آج درہم کی جو قیمت بازار میں ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ درہم کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ ایک درہم: تین گرام اکسٹھ ملی گرام آٹھ سو میکرو گرام کے مساوی ہوتا ہے۔

مسافت سفر

آدمی جب تین دن کے سفر کا ارادہ کر کے آبادی سے نکل جاتا ہے تو مسافر ہو جاتا ہے، اور سفر پر مرتب ہونے والے تمام احکام اس پر جاری ہوتے ہیں؛ مثلاً: نماز میں قصر کرنا، رمضان کا روزہ مؤخر کرنا، قربانی کا واجب نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

تین دن کے سفر کی مقدار کیا ہوگی؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسافت سفر چار برید ہے، اور یہ معلوم ہو چکا کہ برید ایک فرسخ اور فرسخ تین میل شرعی کا

ہوتا ہے؛لہذا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدت سفر اڑتالیس میل شرعی ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق میلوں اور فرسخوں کا اعتبار نہیں، بلکہ اس کا لحاظ ہے کہ آدمی متوسط رفتار سے تین دن میں کتنی مسافت طےئ کر سکتا ہے، دن بھر چلنے کی قید نہیں، عام طور پر قافلے جو پڑاو کرتے ہیں، وہ بھی مدت سفر ہی شمار ہوگا، فقہاء حنفیہ نے تمام باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ لکھا کہ ہر دن فجر سے زوال تک چلنا مراد ہے۔ شامی نے یہ بھی صاف کرنے کی کوشش کی ہے کہ سال کے معتدل ایام مراد ہیں، جب رات دن برابر ہوتے ہیں، یا سال کے سب سے چوٹے دن مراد ہیں؟ قہستانی کا رجحان پہلی رائے کی طرف ہے، جبکہ صاحب محیط، قاضی خاں، عتابی، صاحب بحر اور صاحب نہر دوسری رائے رکھتے ہیں، علمائے دیوبند کا فتوی دوسرے قول کے مطابق ہے۔

مشائخ حنفیہ کے اختلاف کی بنیاد

الحاصل مذکورہ تفصیل کے مطابق تین دن میں جتنی مسافت طےئ کی جا سکتی ہو وہی مسافت سفر ہے، حنفیہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے، یہی ظاہر روایت ہے اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور جن مشائخ نے بھی فرسخوں اور میلوں سے مدت سفر متعین کرنے کی کوشش کی ہے، وہ دراصل ان کے اپنے زمانے، یا علاقے کے اعتبار سے ان کا تجربہ ہے؛ اس لئے یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں؛ چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

فقيل بأُحد وعشرين فرسخا، وقيل بثمانية عشر، وقيل بخمسة عشر، وكل من قدر بقدر ما اعتقد أنه مسيرة ثلاثة أيام (فتح القدير: ۲: ۴)

"بعض نے اکیس فرسخ کہا، بعض نے اٹھارہ فرسخ اور بعض نے پندرہ فرسخ۔ اور جس نے جو بھی مسافت بتلائی، اس کے خیال میں وہی تین دن کی مسافت تھی"۔

علمائے ہند کی رائے

علمائے دیوبند نے جو اڑتالیس میل انگریزی کہا ہے، اس کی بنیاد بھی یہی قول راجح

ہے، ان کا خیال ہے کہ اب تین دن میں اسی قدر مسافت طئے ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے اس پر کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ فتوی صحیح بنیاد پر قائم ہے۔

شروع شروع میں صاحب احسن الفتاوی حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کو اس پر اشکال تھا؛ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ علمائے دیوبند کے فتوی کی بنیاد کچھ اور ہے، پھر جب مولانا مہربان علی بڑوتویؒ نے اصل صورت حال پیش کی تو ان کا اشکال جاتا رہا۔

ہمارے بعض حضرات اس اشکال وجواب کی حقیقت بھی سمجھنا چاہتے ہیں؛ اس لئے یہ ناکارہ تفصیل عرض کرتا ہے۔

ابھی معلوم ہوا کہ فقہ حنفی میں جن لوگوں نے سفر کی مسافت میلوں اور فرسخوں سے طئے کی ہے، اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ جن کی نگاہ میں تین دن میں جتنی مسافت طئے ہوتی ہے، اسی کو مسافت سفر قرار دیا ہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں چار اقوال ملتے ہیں:

پندرہ فرسخ یعنی: ۴۵ میل شرعی۔

سولہ فرسخ یعنی: ۴۸ میل شرعی۔

اٹھارہ فرسخ یعنی: ۵۴ میل شرعی۔

اکیس فرسخ یعنی: ۶۳ میل شرعی۔

صاحب احسن الفتاوی نے یہ سمجھا کہ علمائے دیوبند نے، جو ۴۸ میل کہا ہے، اس کا ماخذ یہی سولہ فرسخ والا قول ہے، اور سولہ فرسخ والے قول میں میل شرعی مراد ہے؛ لہذا علمائے ہند کے قول میں بھی وہی مراد ہونا چاہئے، پھر تلاش بسیار کے بعد بھی ان کو اکابر دیوبند کے اقوال میں میل انگریزی کی کوئی قید نہیں مل سکی؛ بلکہ حضرت گنگوہی اور مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہما اللہ کے فتوی میں میل شرعی کا ہی قرینہ غالب ہے؛ اس لئے یہ خیال اور پختہ ہوگیا کہ ۴۸ میل شرعی ہی مراد ہے، جس کے ۵۴ میل انگریزی بنتے ہیں، اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو ۴۸ میل انگریزی کو ہمارے اکابر کی طرف منسوب کیا ہے، وہ نسبت درست نہیں۔ یہ صاحب

احسن الفتاوی کا خیال تھا؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اکابر علمائے ہند کی طرف ۴۸ میل انگریزی کا قول منسوب کیا جاتا ہے، مگر اکابر کی تحریرات کے تتبع سے ثابت ہوا کہ ان میں مطلق میل کا ذکر ہے، اس کے ساتھ انگریزی کی قید نہیں، اور متبادر یہ ہے کہ ان کی مراد میل شرعی ہے؛ اس لیے اڑتالیس میل انگریزی کا کوئی ماخذ نظر نہیں آتا، صرف بہشتی زیور میں انگریزی میل کا ذکر ہے، جو جامع یا بعد کے ناظرین کا تسامح معلوم ہوتا ہے''۔

(احسن الفتاوی: ۴/ ۹۵، باب صلاۃ المسافر)

مگر مولانا مہربان علی بڑوتویؒ نے کئی ایک عبارتیں ہمارے اکابر کی ایسی پیش کردیں، جن میں میل انگریزی کی صراحت یا اس کی طرف اشارہ موجود تھا، پھر یہ بھی عقدہ حل کیا کہ ہمارے اکابر کی رائے کی بنیاد سولہ فرسخ والا قول نہیں، بلکہ تین دن کی مسافت والا قول ہے؛ اس لئے مولانا رشید احمد صاحب نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔ ذیل میں علمائے دیوبند کے ایک فتوے کی نقل ملاحظہ ہو جس میں یہ پوری وضاحت موجود ہے:

الجواب باسمہ سبحانہ تعالی وباللہ العصمۃ والتوفیق

حامدا ومصلیا ومسلما! سفر شرعی کی مسافت کی تعیین میں حضرات صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ مختلف ہیں؛ عمدۃ القاری شرح بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روایات بھی اس بارے میں مختلف ہیں، مگر صحیح اور راجح مذہب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ میلوں وغیرہ سے کسی مقدار کی تحدید نہ کی جائے، تین دن میدانی علاقہ (؟) میں پیدل چل کر جس قدر مسافت انسان بآسانی طئے کرسکتا ہے وہی مسافت شرعی ہے۔ ایک روایت امام صاحب کی یہ بھی ہے کہ آپ نے سفر شرعی کی مسافت تین منزل قرار دی ہے۔ صحاب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کا حاصل بھی تقریبا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (تین دن کی مسافت)۔ الغرض جمہور مشائخ احناف رحمہم اللہ نے میلوں کے ساتھ تعیین کا اعتبار نہیں

کیا؛ اس لیے کہ تین دن کی مسافت اصل مذہب ہے، جو راستہ وغیرہ کے اختلاف سے مختلف ہوسکتی ہے۔ اسی کے ساتھ بہت سے فقہائے کرام نے میل اور فرسخ کے ساتھ بھی تعیین فرمائی ہے اور ان کے اقوال بھی مختلف ہیں۔ ہندوستان کے عام بلاد میں چونکہ راستے تقریبا یکساں ہوتے ہیں؛ اس لیے محققین علمائے ہند نے میلوں کی تعیین فرما کر ۴۸ میل انگریزی مسافت قصر قرار دے دی ہے؛ کیونکہ عندالفقہاء اوقات معہودہ (اس وقت) میں اتنی ہی مسافت بآسانی پیادہ مسافر یہاں کے ہموار راستوں میں طئے کرسکتا ہے، پہاڑی اور گھاٹیوں والے راستوں کی صحیح کیفیت اور چلنے والوں میں متوسط قوی والے آدمی کی رفتار وغیرہ لکھ کر ارباب فتوی سے مسافت قصر کی تقریبی تعیین کرالی جائے (والبسط یطلب من جواهر الفقه) اوراڑتالیس میل انگریزی بحساب چکرورتی ۷۷ کلومیٹر، ۲۴۸ میٹر، دوملی میٹر (؟) ہوتے ہیں (تقریبا سواستتر کلومیٹر)۔ اتنی مسافت پر محققین حضرات قصر کے واجب ہونے کا فتوی دیتے ہیں ... یہ بات بھی دھیان رکھنے کے لائق ہے کہ فرسخ والے اقوال احناف کا اصل مذہب نہیں، بلکہ تقریبی امور ہیں، پس انہی اقوال پر بنیاد رکھتے ہوئے ماعدا کی بالکلیہ نفی کردینا روایت ودرایت دونوں کے خلاف ہے.... اور صاحب احسن الفتاوی (رحمہ اللہ) نے بھی اڑتالیس میل انگریزی ہی کی طرف تقریبا رجوع فرمالیا ہے (ملاحظہ ہو احسن الفتاوی: ۴/ ۱۵ باب صلاۃ المسافر) فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم، ہذا ما کتبہ احقر الزمن العبد محمود حسن غفرلہ بلندشہری خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند ۲۹/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ یوم الجمعہ۔ اصاب الی الحق، العبد نظام الدین غفرلہ، الجواب صحیح محمد ظفیر الدین، الجواب صحیح محمد طاہر عفا اللہ عنہ، الجواب صحیح حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ۔

(بحوالہ مسائل سفر مولانا محمد رفعت قاسمی صاحب: ۴۲، ۴۳)

نوٹ: دیوبند کے فتوے میں یا اس کے نقل میں تین جگہ تسامح ہے، جہاں اس ناکارہ نے خط کھینچ کر سوالہ نشان لگا دیا ہے۔ ایک تو ۵۱۲ ملی میٹر کو صرف ۲ ملی میٹر لکھا ہے؛ حالاں کہ

جب میل انگری: ۱ کلومیٹر، ۶۰۹ میٹر، ۳۴۴ ملی میٹر کے مساوی ہے تو ۴۸ میل انگریزی کا مجموعہ: ۷۷ کلومیٹر، ۶۰۹ میٹر، ۵۱۲ ملی میٹر ہوگا۔ دوسرے میدانی علاقہ کی قید کو حذف کر دینا چاہیے؛ کیونکہ خود اسی فتوی میں یہ بات موجود ہے کہ مدار تین دن کے سفر پر ہے اور میدانی اور پہاڑی علاقوں کے فرق سے تین دن کی مسافت بدلتی رہے گی اور یہی بات صحیح ہے، میدانی کی قید اس مقام پر سبقت قلم ہے۔ تیسرے احسن الفتاوی کا صفحہ نمبر غلط درج ہوا ہے۔فسبحان من لا یسھو ولا ینسی۔

مفتی بہ قول

الحاصل اس وقت ہمارے علماء دیوبند کا فتوی یہ ہے کہ مسافت سفر ۴۸ میل انگریزی ہے، اور ایک میل انگریزی ہوتا ہے: ۱ کلومیٹر، ۶۰۹ میٹر، ۳۴۴ ملی میٹر کا، لہذا ۴۸ میل انگریزی کا مجموعہ: ۷۷ کلومیٹر، ۲۴۸ میٹر، ۵۱۲ ملی میٹر ہوگا۔

مسافت سفر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک

مشہور تو یہی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مسافت سفر کی مقدار ائمہ ثلاثہ کے بالمقابل زیادہ ہے؛ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگرچہ اس پر اتفاق ہے کہ سفر شرعی چار برید ہے، جس میں ہر برید چار فرسخ اور ہر فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے، اس طرح مجموعہ ۴۸ میل شرعی ہوتا ہے؛ لیکن میل کی بحث میں معلوم ہو چکا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک میل شرعی چھ ہزار ذراع کا ہوتا ہے، جس کے دو کلومیٹر، سات سو تینتالیس میٹر، دو سو ملی میٹر بنتے ہیں، اس کو اڑتالیس سے ضرب دیں تو مجموعہ ایک سو اکتیس (۱۳۱) کلومیٹر، چھ سو تہتر (۶۷۳) میٹر، چھ سو (۶۰۰) ملی میٹر بنتا ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک میل شرعی ساڑھے تین ہزار ذراع کا ہوتا ہے، جس میں ذراع چھتیس (۳۶) انگل کا ہوتا ہے، جس کے چھ سو پچاسی (۶۸۵) ملی میٹر، آٹھ سو (۸۰۰)

میکرو میٹر بنتے ہیں، اس کو ساڑھے تین ہزار سے ضرب دیں تو مجموعہ: دو کلومیٹر، چار سو میٹر، تین سو ملی میٹر ہوتا ہے، مالکیہ کے نزدیک یہی میل شرعی کی مقدار ہے، اس کو ۴۸ سے ضرب دیں تو مجموعہ: ایک سو پندرہ کلومیٹر، دو سو چودہ میٹر، چار سو ملی میٹر ہوتا ہے؛ یہی سفر شرعی کی مقدار ہے۔

غلط فہمی کی وجہ

حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں جو مسافت سفر ہے، اس کو بعض لوگ جو مساوی سمجھتے ہیں یا بعض لوگ ائمہ ثلاثہ کی مسافت سفر کو کم سمجھتے ہیں، اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی کتابوں میں چار برید کو دو دن کا سفر بتلایا گیا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک تین دن کا سفر سفر شرعی ہوتا ہے؛ ظاہر ہے پہلی نگاہ میں آدمی یہی سمجھے گا کہ حنفیہ کے نزدیک مسافت سفر بڑھی ہوئی ہوگی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو دن کے سفر میں ہر دن بارہ بارہ گھنٹے چلنا ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک تین دن صبح سے زوال تک چلنا مراد ہے؛ چنانچہ محشی منہاج احمد عمیرہ شافعیؒ فرماتے ہیں:

قوله: (أي سير يومين معتدلين) عبارة الإسنوي وهما يوم وليلة أو يومان معتدلان أو ليلتان معتدلتان اهـ. (حاشيه عميرة: ۱:۲۹۹)

”مؤلف کا قول دو معتدل دنوں کی مسافت: اسنوی کی عبارت یہ ہے: مدت سفر مکمل ایک رات اور دن یا دو معتدل دن یا دو معتدل راتیں ہیں“۔

شامی نے وضاحت کی ہے کہ گھنٹوں کے حساب سے سفر شرعی حنفیہ کے نزدیک تقریباً ساڑھے بیس گھنٹے ہوتے ہیں (ردالمحتار: ۲/ ۱۲۳)۔ بلکہ یہ ناکارہ کہتا ہے کہ سال کے چھوٹے دنوں میں ہندوستان میں فجر کے بعد سے زوال تک روزانہ کے صرف چھ گھنٹے ہوتے ہیں، اور تین دن کا مجموعہ اٹھارہ گھنٹے ہوتے ہیں؛ جبکہ احمد عمیرہ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدت سفر چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں؛ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے قول کو میل سے دیکھیں یا گھنٹوں سے بہر حال ان کے نزدیک مسافت سفر حنفیہ سے زیادہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو مسافت سفر ہے، اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی، ہر زمانے اور ہر علاقے میں ایک ہی مقدار متعین ہوگی۔ ان کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے:

لا تقصر الصلاة في أقل من أربعة برد من مكة إلى عسفان. (دار قطنی)

''چار برید سے کم میں قصر نہ کرو؛ جیسے: مکہ سے عسفان''۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ چار برید متعین نہیں، اس وقت تین دن میں چار برید طے ہوجاتا ہوگا؛ اس لئے صحابہ اس مسافت پر قصر کا فتوی دیتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ: مکہ سے عسفان کا فاصلہ کتنے کلومیٹر ہے، اگر یہ معلوم ہوجائے تو یہ بھی اندازہ قائم ہوسکتا ہے کہ برید صحابہ کے زمانہ میں کتنے کلومیٹر کا ہوتا تھا۔

مکہ سے عسفان کا فاصلہ

مکہ سے عسفان کا فاصلہ کیا ہے؟ قاضی عیاض ۳۶ میل فرماتے ہیں (مشارق الانوار)، نوویؒ فرماتے ہیں کہ مکہ سے عسفان چار برید ہے اور ایک برید چار فرسخ کا اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے؛ اس لئے عسفان مکہ سے اڑتالیس میل ہوگا، امام نووی فرماتے ہیں کہ مشہور قول یہی ہے۔ مرحلہ کے بیان میں گذر چکا کہ ابن خرداذبہ بتیس (۳۲) میل کا فاصلہ قرار دیتے ہیں۔ آج کل مکہ سے جو سڑک مدینہ کو جارہی ہے، وہ وادی عسفان سے ذرا ہٹ کر گذرتی ہے؛ پھر بھی وادی عسفان کے سامنے پہنچ کر دیکھیں تو کار کا میٹر تقریباً ۱۰۰ کیلو میٹر کا فاصلہ بتلاتا ہے۔

بندہ کی نگاہ میں ان اختلافات کے پیش نظر یہ معلوم کرنا بہت دشوار ہے کہ ابن عباس کے زمانہ میں مکہ سے عسفان کا فاصلہ کیا تھا؟ کیونکہ اب جو راستہ مکہ سے مدینہ کے لئے جاتا ہے، پہلے یہ راستہ متعارف نہ تھا، کوئی اور راستہ تھا، جس کی چھان بین کر کے اس راستہ سے موٹر لے کر عسفان جانا تاکہ کیلومیٹر معلوم ہوسکے مستقل ایک کام ہے۔

بہر حال مکہ سے عسفان کا فاصلہ کچھ بھی ہو، حنفیہ کے لئے مضر نہیں؛ کیونکہ حنفیہ یہ کہتے

ہیں کہ ممکن ہے، اس زمانے میں تین دن میں اتنی ہی مسافت طئے ہوتی ہو؛ اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے یہ فتوی دیا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

بحری سفر

مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے لکھا ہے کہ بحری سفر میں بحری میل کا اعتبار ہوگا، نیز بحری سفر چونکہ بلا قیام چوبیس گھنٹے دن رات جاری رہتا ہے؛ اس لیے تین دن میں ۷۲ گھنٹے کی مسافت کو مسافت سفر قرار دیا جائے گا؛ جس کے ۳۹۶ بحری میل بنتے ہیں؛ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:

"بحری سفر کو بھی بری سفر پر قیاس کر کے اڑتالیس میل قرار دینا صحیح نہیں، مذہب میں اصل اعتبار میلوں کی بجائے تین روز کی مسافت کا ہے۔ بری سفر میں اس کا تخمینہ ۴۸ میل کیا گیا ہے، مگر یہ فیصلہ بحری سفر پر جاری نہیں ہوسکتا۔ بحری جہاز کے کپتان سے تحقیق ہوئی کہ عام معمولی کشتی معتدل ہوا میں پانچ چھ میل بحری فی گھنٹہ طئے کرتی ہے، ماہرین فن ملاحوں اور پاک بحریہ کے افسروں سے بھی اس کی تصدیق ہوئی؛ مجموعہ پانچ شہادتوں سے ثابت ہوا کہ معتدل ہوا میں معمولی کشتی کی اوسط رفتار ساڑھے پانچ میل بحری فی گھنٹہ ہے؛ لہذا بحری سفر میں مسافت قصر کا حساب یوں ہوگا: تین دن = ۷۲ گھنٹے ضرب ساڑھے پانچ = ۳۹۶ بحری میل" (احسن الفتاوی: ۴/۸۶)۔

ہوائی جہاز کا سفر

اگر ہوائی جہاز خشکی کے راستہ کے اوپر اوپر پرواز کر رہا ہو تو برّی مسافت کا اعتبار ہوگا، اور سمندر کے اوپر پرواز کرتا ہو تو بری مسافت سفر کا اعتبار ہوگا، اس کو نہ دیکھیں گے کہ ہوائی جہاز تین دن میں کتنی مسافت طئے کرتا ہے؛ اس لیے کہ قصر کا اصل مدار اس پر ہے کہ خشکی یا دریا میں معتدل رفتار سے تین دن کی مسافت ہوجائے، اگر اتنی مسافت تیز رفتار سواری کے ذریعہ

جلدی طے کرلے تو بھی قصر واجب ہوگا۔

(دیکھیے: احسن الفتاوی: ۴/ ۸۲ باب صلاۃ المسافر)

قبر کی گہرائی

مستحب یہ ہے کہ قبر میت کے قد کے برابر یا سینہ تک گہری ہو، نصف قامت تک ہو تب بھی کوئی حرج نہیں؛ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

قوله (مقدار نصف قامة الخ) أو إلى حد الصدر وإن زاد إلى مقدار قامة فهو أحسن كما في الذخيرة. فعلم أن الأدنى نصف القامة والأعلى القامة ... والمقصود منه المبالغة في منع الرائحة ونبش السباع (۲: ۲۳۴)

''قبر کی گہرائی نصف قامت یا سینہ تک ہو، اور اگر قد کے برابر ہو تو زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ ذخیرہ میں لکھا ہے، معلوم یہ ہوا کہ کم از کم نصف قامت ہو، اور اعلی درجہ یہ ہے کہ بقدر قامت ہو، اس کا مقصد یہ ہے کہ آخری ممکن تک بدبو سے اور درندوں کے دست برد سے بچایا جاسکے''۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خود میت ہی کو ناپ کر اس کا اندازہ مقرر کیا جائے گا، میٹروں سے کوئی خاص مقدار متعین کرنا تکلف ہے۔

کتاب الزکوۃ

نصاب زکوۃ

چھ سو بارہ (۶۱۲) گرام، تین سو ساٹھ (۳۶۰) ملی گرام چاندی، یا ستاسی (۸۷) گرام، چار سو اسی (۴۸۰) ملی گرام سونا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس کے پاس دو سو درہم چاندی یا بیس دینار (مثقال) سونا ہو، یا اس مالیت کا تجارتی مال ہو، اور دین سے فارغ ہو، وہ صاحب نصاب کہلاتا ہے۔ اگر یہ مال اس کے پاس ایک سال تک باقی رہا، یا کم وبیش ہوتا رہا، بالکل ختم نہ ہوا، اور جس دن سال

مکمل ہورہا ہے، اس دن اتنا مال موجود ہے، جو نصاب کو پہنچ رہا ہے، تو اس پر اپنے مال کا چالیسواں (ہر چالیس میں ایک) حصہ بطور زکوۃ نکالنا لازم ہے۔

اور درہم و دینار کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ درہم گرام سے: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکرو گرام (۳ گرام، ۶۱ ملی گرام، ۸۰۰ میکرو گرام) کا اور تولہ، ماشہ سے درہم: تین ماشہ، ایک رتی اور رتی کے پانچویں حصہ کا ہوتا ہے۔ اور دینار: چار گرام، تین سو چوہتر ملی گرام (۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام) کا اور رتی سے دینار: چھتیس رتی؛ یعنی: ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔

لہذا دینار کے رتیوں کو بیس سے ضرب دیں گے تو مجموعہ ساڑھے سات تولہ (۷ء۵) ہوتا ہے اور درہم کے رتیوں کو دو سو سے ضرب دیں گے تو مجموعہ ساڑھے باون تولہ ہوتا ہے۔ علمائے دہلی کے نزدیک نصاب کی مقدار یہی ہے۔ درہم کے گراموں کو دو سو سے اور دینار کے گراموں کو بیس سے ضرب دیں گے تو مجموعہ ہوگا: چھ سو بارہ (۶۱۲) گرام، تین سو ساٹھ (۳۶۰) ملی گرام چاندی، اور ستاسی (۸۷) گرام، چار سو اسی (۴۸۰) ملی گرام سونا۔ موجودہ اوزان سے سونے چاندی کا نصاب یہی ہے۔

صدقہ فطر کا نصاب

جو نصاب زکوۃ کا ہے، وہی نصاب صدقہ فطر کا بھی ہے، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ زکوۃ فرض ہونے کے لئے خاص کر سونے چاندی، روپئے پیسے یا مال تجارت کا اس مقدار میں ہونا لازم ہے، جو اوپر مذکور ہوا، جبکہ صدقہ فطر میں اگر آدمی ایسے سامان کا مالک ہے، جو روزمرہ کے کام میں نہیں آتا، خواہ تجارت کا مال ہو یا نہ ہو، اور وہ مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو صدقہ فطر لازم ہو جاتا ہے۔

نصاب قربانی

جس مقدار پر صدقہ فطر لازم ہے، قربانی بھی اسی مقدار پر لازم ہے، اس میں بھی مال

کا سونے چاندی یا مال تجارت کی شکل میں ہونا ضروری نہیں۔ جو اتنے نصاب کا مالک ہو اس کو شریعت میں غنی کہتے ہیں۔ اور جس کے پاس اتنا مال نہ ہو، یا ہو مگر قرض سے فارغ نہ ہو تو اس کو شریعت میں فقیر کہتے ہیں، اس کو زکوۃ دینا درست ہے۔

اسی طرح جو غنی ہو اس پر قریب رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے، جو فقیر ہو اس پر واجب نہیں۔ الغرض وجوب قربانی، حرمان زکوۃ، وجوب نفقہ میں وہی نصاب ملحوظ ہوگا، جو صدقہ فطر کے بیان میں مذکور ہے، وہ نہیں جو زکوۃ کے باب میں مذکور ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار

جو شخص عید کی صبح صادق کے وقت اس نصاب کا مالک ہو، جس کا اوپر بیان ہوا، اس پر اپنی ذات اور نابالغ اولاد میں سے ہر ایک کی طرف سے نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور صدقہ کرنا واجب ہے۔ گیہوں، جو اور کھجور کے بجائے اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔

صاع کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ صاع: تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام (۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام) کا اور نصف صاع: ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام (۱ کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام) کا ہوتا ہے۔

کفارات کا بیان

روزہ کا فدیہ

روزہ بذات خود ادا کرنا لازم ہے؛ صرف دو صورتوں میں فدیہ دینا ہوتا ہے:

١ کوئی شخص اتنا بوڑھا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہی ہو تو اس پر لازم ہے کہ ہر روزہ کے بدلے ایک فدیہ دے۔

اگر کوئی ایسی بیماری کا شکار ہو کہ شفا کی امید نہ تو وہ بھی روزہ کا فدیہ دے گا، لیکن شفا

ہوگئی تو قضا رکھنا لازم ہوگا اور وہ صدقہ نفل بن جائے گا۔

۲ روزہ بھول کر یا جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہو اور موت کا وقت آجائے تو فدیہ کی وصیت کر جانا لازم ہے اور ورثہ پر تہائی مال سے اس وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر وصیت کیے بغیر مرجائے اور بالغ ورثہ اپنے مال سے فدیہ ادا کردیں تو اللہ کی ذات سے امید کی جاسکتی ہے کہ میت کی طرف سے قبول فرمائے گا۔

ایک فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقہ فطر کی مقدار ہے؛ لہذا ایک ماہ کے روزوں کا فدیہ ہوگا: سینتالیس (۴۷) کلو، دوسو انتالیس (۲۳۹) گرام، دوسو (۲۰۰) ملی گرام گندم یا اس کی قیمت۔

نماز کا فدیہ

اپنی حیات میں نماز کا فدیہ دینے کی کوئی صورت نہیں، قضا نمازوں کو خود پڑھنے کی فکر لازم ہے، البتہ مرتے کچھ نمازیں ذمہ میں باقی رہ گئی ہوں تو وصیت کرنا لازم ہے۔ اگر بلاوصیت بالغ ورثہ اپنے مال سے فدیہ ادا کردیں تو قبولیت کی امید ہے۔

ایک نماز کا فدیہ ایک صدقہ فطر کے برابر ہے اور پانچ نمازوں کے ساتھ وتر کا فدیہ بھی واجب ہے؛ لہذا ایک دن کی کل نمازوں کا فدیہ ہوا: نو (۹) کلو، چارسو سینتالیس (۴۴۷) گرام، آٹھ سو چالیس (۸۴۰) ملی گرام گندم یا اس کی قیمت۔ اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ہوگا: دوسو تراسی (۲۸۳) کلو، چارسو پینتیس (۴۳۵) گرام، دوسو (۲۰۰) ملی گرام گندم یا اس کی قیمت۔

روزہ کا کفارہ

جو شخص عمداً رمضان کا روزہ توڑ دے تو کفارہ میں اس پر ایک غلام آزاد کرنا لازم ہے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو مسلسل ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہے، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو

ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت دینا لازم ہے (ردالمحتار: ۳/۳۹۰)۔

ایک صدقہ فطر کی مقدار ہے نصف صاع گندم یا اس کی قیمت۔ نصف صاع: ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام (۱ کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام) کا ہوتا ہے۔

ایک مسکین کو ساٹھ دن ایک صدقہ کے برابر غلہ وغیرہ دیتا رہے یا ایک ہی دن ساٹھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دیدے دونوں جائز ہے (ردالمحتار: ۵/۱۴۵ باب کفارہ ظہار)

صدقہ دینے کے بجائے اگر ساٹھ مسکینوں کو ایک دن صبح وشام، یا ایک مسکین کو ساٹھ دن صبح وشام کھانا کھلادے تو بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ایک مسکین کو ایک سو بیس دن تک فقط صبح کا کھانا کھلادے:

قال في التاترخانية: وعن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة: إذا غدى واحداً مائة وعشرين يوماً أجزأه (ردالمحتار: ۵:۱۴۵)

ساٹھ صدقہ کی مجموعی مقدار ہے: چورانوے (۹۴) کلو، چارسو اٹھہتر (۴۷۸) گرام، چارسو (۴۰۰) ملی گرام گندم۔ لیکن یہ درست نہیں کہ ایک ہی مسکین کو ایک ہی دن ساٹھ صدقے دیدیے جائیں، اگر ایسا کیا گیا تو محض ایک دن کا صدقہ شمار ہوگا:

ولو أباحه كل الطعام في يوم واحد دفعة أجزأ عن يومه ذلك فقط

(درمختار مع ردالمحتار: ۵:۱۴۵)

کفارہ ظہار

جو مسئلہ کفارہ رمضان کا ہے، وہی مسئلہ کفارہ ظہار کا بھی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جو تفصیل کفارہ ظہار میں ہے، وہی تفصیل کفارہ رمضان میں بھی ہے؛ کیونکہ کفارہ کے مسائل میں کفارہ ظہار ہی اصل ہے، کفارہ رمضان کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے اور کفارہ رمضان کے بیان ابھی جو فقہی عبارتیں گذری ہیں، وہ دراصل باب الظہار ہی سے ماخوذ ہیں۔

کفارہ قسم

اگر کوئی شخص قسم کھا کر توڑ دے تو اس پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔ یا تو ایک غلام آزاد

کرے یا دس مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو اتنا کپڑا دے جس سے اکثر بدن ڈھانپا جاسکے (درمع الرد ۵/ ۵۰۳)۔

یہاں بھی کھانا کھلانا یا غلہ دینا دونوں کافی ہے، اگر غلہ دے تو صدقہ فطر کی مقدار ہونا چاہئے۔ایک مسکین کو دس دن صبح وشام کھلانا، یا بیس دن صرف صبح کو کھلانا، یا دس مسکینوں کو ایک دن صبح وشام کھلانا کافی ہے۔ (شامی:۵/ ۵۰۵)

کفارہ قتل

کسی مسلمان کے ہاتھوں کسی مسلمان کا قتل ہوجائے تو بطور کفارہ شرعاً لازم ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، اگر وسعت نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔کفارہ قتل میں مسکینوں کو کھلانا یا غلہ دینا کافی نہیں۔علامہ عینیؒ نے کفارہ قتل میں بھی اطعام کی بات کہی ہے؛ علماء نے لکھا ہے کہ یہ علامہ کی چوک ہے:

قوله سوى القتل، فإنه لاإطعام فيه. فلاإباحة. وإنما ذكره للرد على العينى (ردالمحتار:۵: ۱۴۶باب كفارة الظهار)

کتاب النکاح

مہر کی کم از کم مقدار

حنفیہ کے نزدیک کم از کم مہر دس درہم ہے اور معلوم ہو چکا کہ ایک درہم: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکروگرام ہوتا ہے، اس کو دس سے ضرب دیں گے تو مجموعہ: تیس (۳۰) گرام، چھ سو اٹھارہ (۶۱۸) ملی گرام ہوگا۔اگر اس مقدار میں چاندی یا اس کی قیمت ادا کردی جائے تو مہر شرعی ادا ہوجائے گا۔

مہر فاطمی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر اپنی ازواج مطہرات اور بنات طیبات کا مہر پانچ سو درہم طئے کیا تھا؛ ازواج مطہرات کے بارے میں روایات میں بارہ اوقیہ اور ایک نش کی

صراحت آئی ہے۔ایک اوقیہ چالیس درہم کا اورنش نصف اوقیہ یعنی: بیس درہم کا ہوتا ہے؛اس طرح مجموعہ پانچ سو درہم ہوتا ہے۔یہی مہر فاطمی سے مشہور ہے۔مہر فاطمی موجودہ وزن سے: ایک کلو،پانچ سوتیس (۵۳۰) گرام،نوسو(۹۰۰) ملی گرام چاندی ہوتا ہے۔

بعض روایات میں صرف بارہ اوقیہ کا تذکرہ ہے،اس کے مطابق مہر فاطمی ۴۸۰ درہم ہوگا۔مگر صحیح مقدار وہی ہے، جو اوپر لکھا گیا؛ کیونکہ اس روایت میں نش کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے، جیسا کہ عربوں کی عادت ہے کہ کسر چھوڑ کر بولتے ہیں۔روایت یہ ہے:

(عن عمر بن الخطاب) مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلاَ أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً. قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

(ترمذی،باب فی مھور النساء)

صاحب احسن الفتاوی کا خیال یہ ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہے،مگر بنات طیبات کا مہر فقط ۴۸۰ درہم ہے،کسی روایت میں بنات طیبات کا مہر ۵۰۰ درہم نہیں لکھا ہے؛اس لیے انہوں نے مہر فاطمی فقط ۴۸۰ درہم قرار دیا ہے(دیکھیے:۵/۳۲)

مگر اس ناکارہ کا خیال یہی ہے کہ مہر فاطمی جو ۵۰۰ درہم مشہور ہے وہی صحیح ہے، جس طرح ازواج مطہرات کا مہر ۵۰۰ درہم مسلم ہے،مگر روایت بالا میں ۴۸۰ سے زائد کی نفی ہے،اسی طرح بنات کا مہر بھی ۵۰۰ درہم تھا،اگرچہ روایت بالا میں ۴۸۰ سے زائد کی نفی ہے۔ وجدان صحیح اس کی شہادت نہیں دیتا کہ آپ کی بنات کا مہر ۵۰۰ کے بجائے خصوصیت سے ۲۰ درہم کم کرکے ۴۸۰ درہم متعین کیا جاتا ہو۔فاللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

چاندی کی انگوٹھی کی جائز مقدار

بعض کتابوں میں ایک مثقال تک اجازت ہے، بعض کتابوں میں یہ ہے کہ ایک مثقال نہ ہونے پائے۔شامی کہتے ہیں کہ آخری رائے حدیث کے موافق ہے۔

قوله (ولا يزيده على مثقال) وقيل لا يبلغ به المثقال، ذخيرة ، أقول يؤيده نص الحديث السابق من قوله عليه الصلاة والسلام ولا تتمه مثقالا (ردالمحتار: الحظر والاباحة، فصل فی اللبس)

"انگوٹھی ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو، بعض کہتے ہیں کہ مثقال کے وزن کو نہ پہنچنے پائے؛ حدیث سابق سے صراحتاً اسی قول کی تائید ہوتی ہے"۔

پوری حدیث ترمذی، نسائی اورصحیح ابن حبان (کتاب الزینۃ، حدیث نمبر: ۵۴۸۸) میں حضرت بریدہؓ سے منقول ہے، جس میں یہ فقرہ بھی ہے:

فقال: یارسول اللہ من أی شیء أتخذہ؟ قال: من ورق ولا تتمہ مثقالا

"اس شخص نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میں کس دھات کی انگوٹھی پہنوں، تو آپ نے فرمایا: چاندی کی، مگر ایک مثقال تک اس کا وزن نہ پہونچے"۔

ایک مثقال: ۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام ہوتا ہے (دیکھیے: دینار کا بیان)۔

ذوالحلیفہ کی مسافت

مدینہ سے ذوالحلیفہ کی کیا مسافت ہے؟ وقت عصر کے بیان میں بھی اس کی بحث آتی ہے اور میقات کے بیان میں بھی۔ اس سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں؛ قول راجح کیا ہے؛ علامہ شامی سے سنئے:

قال العلامة القطبی فی منسكه والمحرر من ذلك ما قاله السيد نور الدين علی السمهودی فی تاريخه قد اختبرت ذلك فكان من عتبة باب المسجد النبوی المعروف بباب السلام إلى عتبة مسجد الشجرة بذی الحليفة تسعة عشر ألف ذراع بتقديم المثناة الفوقية وسبعمائة ذراع بتقديم السين واثنين وثلاثين ذراعا ونصف ذراع بذراع اليد ـ اه قلت وذلك دون خمسة أميال فإن الميل عندنا أربعة آلاف بذراع الحديد المستعمل الآن والله أعلم اه (شامی، باب المواقيت)

''علامہ قطبیؒ نے اپنی منسک میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں قول محقق وہ ہے، جو سمہودیؒ نے لکھا ہے، سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد نبوی کے باب السلام کی چوکھٹ سے ذوالحلیفہ کی مسجد کی چوکھٹ تک ناپا تو انیس ہزار سات سو بتیس (۱۹۷۳۲) ہاتھ پایا۔ علامہ قطبی کہتے ہیں: یہ پانچ میل (شرعی) سے کچھ کم ہے: کیونکہ میل ہمارے نزدیک لوہے کے مستعمل ذراع سے چار ہزار ذراع ہوتا ہے''۔

قمری سال

قمری سال تین سو چون (۳۵۴) دن، آٹھ (۸) گھنٹے، اڑتالیس (۴۸) منٹ کا ہوتا ہے؛ چنانچہ شارح وقایہ لکھتے ہیں:

والسنة القمرية اثنا عشر شهرا قمريا، ومدتها ثلث مأة وأربعة وخمسون يوما وثلث يوم وثلث عشر يوم

(شرح وقاية: ۲: ۱۴۱ كتاب النكاح، باب العنين)

''قمری سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے؛ اس کی مدت تین سو چون (۳۵۴) دن، دن کا ایک تہائی، پھر دن کا تیسواں حصہ ہے''۔

تین سو چون دن تو واضح ہے، دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا تہائی آٹھ (۸) گھنٹہ ہوگا، نیز دن ایک ہزار چار سو چالیس (۱۴۴۰) منٹ کا ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا تیسواں حصہ اڑتالیس (۴۸) منٹ ہوگا۔

علم ہیئت کے اکثر ماہرین یہی لکھتے ہے، اس کا مزید بیان آئندہ آرہا ہے۔

شمسی سال

شمسی سال تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن، چھ (۶) گھنٹے کا ہوتا ہے؛ چنانچہ شارح وقایہ لکھتے ہیں:

فالسنة الشمسية مدة وصول الشمس الى النقطة التى فارقتها من فلك البروج، وذلك فى ثلث مأة وخمسة وستين يوما وربع يوم (ايضا)

’’شمسی سال اس مدت کو کہتے ہیں، جتنی مدت میں فلک بروج میں سے کسی خاص فلک کو چھوڑ کر سورج پھر اس فلک میں واپس آجائے، ایسا تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن، اور ایک چوتھائی دن میں ہوتا ہے‘‘۔

اسی وجہ سے شمسی سال میں ہر چوتھے سال فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا مانا جاتا ہے تاکہ ہر سال میں جو چھ گھنٹے زائد بچتے ہیں ان کا حساب پورا ہو جائے۔ جس سال فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اسے لیپ (LEAP) کا سال کہتے ہیں۔

شمسی اور قمری سال میں کتنا فرق ہے؟

شرح وقایہ کی عبارت کی روشنی میں حساب کیا جائے تو شمسی سال ۸۷۶۶ گھنٹے کا اور منٹ سے ۵۲۵۹۶۰ منٹ کا ہوتا ہے، جبکہ قمری سال ۸۵۰۴ گھنٹے ۴۵ منٹ کا اور منٹ سے ۵۱۰۲۸۸ منٹ کا ہوتا ہے؛ پس شمسی سال ۱۵۶۷۲ منٹ بڑا ہے، جس کے ۲۶۱.۲ گھنٹے بنتے ہیں۔

اصحاب کہف کتنے دن کے بعد زندہ کیے گئے

قرآن سے اشارہ ملتا ہے کہ اصحاب کہف شمسی سال سے تین سو سال اور قمری سال سے تین سو نو سال غار میں سوئے رہے؛ قرآن کریم کا انداز بیان دیکھیے:

ولبثوا فی کھفھم ثلث مأۃ سنین وازدادوا تسعا (کہف:۲۵)

’’اصحب کہف تین سو سال غار میں رہے، اور مزید نو سال‘‘۔

صاف صاف ’’ثلثمأۃ وتسع سنین‘‘ کیوں نہیں کہا گیا، اس کی وجہ حضرت علیؓ سے یہی مروی ہے کہ اس انداز بیان میں قمری اور شمسی سال کا جو تفاوت تھا وہ اجاگر نہ ہو پاجو موجودہ نظم سے ہو رہا ہے؛ روح المعانی میں لکھا ہے:

فقیل هو الإشارة إلى أنها ثلثمائة بحساب أهل الكتاب واعتبار السنة الشمسية وثلثمائة وتسع بحساب العرب واعتبار السنة القمرية فالتسع

مقدار التفاوت، وقد نقله بعضهم عن علی کرم الله تعالی وجهه.

''کہا جاتا ہے کہ اس طرز بیان میں اشارہ ہے کہ اہل کتاب اور شمسی لحاظ سے تین سو سال اور قمری حساب سے تین سو نو سال ہوتا ہے؛ پس نو سال دونوں کے درمیان جو تفاوت ہے اس کا بیان ہے، بعض نے یہ نکتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے''۔

حضرت علیؓ کے فرمان پر بعض لوگوں کو اشکال ہوا ہے۔ اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شمسی سال قمری سال سے ۱۵۶۷۲ منٹ بڑا ہوتا ہے تو تین سو سال میں ۴۷۰۱۶۰۰ منٹ زیادہ ہو جائیں گے، جس کے ۷۸۳۶۰ گھنٹے بنتے ہیں، اور جب ان زائد منٹوں کو قمری سال کے منٹوں سے تقسیم کرتے ہیں تو قمری سال نو نہیں بلکہ تقریباً نو سال ۷۵ دن بنتے ہیں۔ (یعنی نو سال سے ۱۰۹۰۰۸ منٹ زائد اور ان زائد منٹوں کے تقریباً ۱۸۱۶ گھنٹے، اور ان گھنٹوں کے تقریباً ۷۵ دن بنتے ہیں)۔

روح المعانی (سورۃ الکہف آیت نمبر ۲۵ کی تفسیر) میں اسی قسم کا سوال امام رازی کے حوالے سے بھی اٹھایا گیا ہے اور اس کا جواب وہیں علامہ شہاب الدین خفاجی کے حوالے سے مذکور ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب والے کسر کا حساب نہیں کرتے۔ فتدبر وتشکر۔

عنین کو کتنے دن مہلت ملے گی

جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے اپنی بیوی تک رسائی نہیں پاتا ہو اس کو فقہاء عنین کہتے ہیں۔ اگر عنین کی بیوی تفریق کا مطالبہ کر بیٹھے تو قاضی شریعت اس کو ایک سال تک دوا علاج کی مہلت دے گا، اگر اس مدت میں بھی وہ صحبت پر قدرت نہ پا سکے تو بالآخر قاضی تفریق کر دے گا۔ اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے کہ یہاں کون سا سال مراد ہے، قمری یا شمسی؛ فتاوی ہندیہ کے حوالے سے پڑھیے:

تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ فی ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كَذَا فی التَّبْيِينِ وهو الصَّحِيحُ كَذَا فی الْهِدَايَةِ رَوَى الْحَسَنُ عن أَبِی حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّهُ تُعْتَبَرُ سَنَةٌ

شَمْسِيَّةٌ وَهِيَ تَزِيدُ على الْقَمَرِيَّةِ بِأَيَّامٍ وَذَهَبَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيُّ فى شَرْحِ الْكَافِي إِلَى رِوَايَةِ الْحَسَنِ أَخْذًا بِالِاحْتِيَاطِ وَكَذٰلِكَ صَاحِبُ التُّحْفَةِ وَهٰذَا هو الْمُخْتَارُ عِنْدِي كَذَا فى غَايَةِ الْبَيَانِ وهو اخْتِيَارُ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ فى الْمَبْسُوطِ وَاخْتِيَارُ الْإِمَامِ قَاضِي خَانْ وَالْإِمَامِ ظَهِيرِ الدِّينِ فى التَّأْجِيلِ أَنَّهُ يُقَدَّرُ بِسَنَةٍ شَمْسِيَّةٍ أَخْذًا بِالِاحْتِيَاطِ كَذَا فى الْكِفَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَذَا فى الْخُلَاصَةِ عن شَمْسِ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيِّ (باب العنين)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق قمری سال کا اعتبار ہوگا، صاحب ہدایہ اور علامہ فخر الدین زیلعی نے اسی کو صحیح کہا ہے، جبکہ امام حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق شمسی سال کا اعتبار ہوگا؛ شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، ظہیر الدین مرغینانی، علاء الدین سمرقندی (صاحب تحفۃ الفقہاء) قاضی خان اور ابوحنیفہ ثانی امیر کاتب اتقانیؒ (صاحب غایۃ البیان) نے اسی کو اختیار کیا ہے؛ کیونکہ احتیاط اسی میں ہے کہ تفریق میں کچھ دن اور انتظار کرلیا جائے، جو مشکل سے گیارہ دن ہوتے ہیں۔

تولید قمر کا مسئلہ

ابھی ایک صفحہ پہلے شرح وقایہ کے حوالہ سے جو قمری اور شمسی سال کی تفصیل لکھی گئی ہے وہ متفق علیہ نہیں، رصدگاہوں کا اس میں قدیم سے اختلاف رہا ہے؛ صاحب کافی لکھتے ہیں:

الشَّمْسِيَّةُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَخَمْسَةٌ وَسِتُّونَ يَوْمًا وَرُبُعُ يَوْمٍ وَجُزْءٌ من مِائَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا من الْيَوْمِ وَالْقَمَرِيَّةُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَأَرْبَعَةٌ وَخَمْسُونَ يَوْمًا كَذَا فى الْكَافِي (هندیه، باب العنین)

شمسی سال ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ۱۲ منٹ کا ہوتا ہے اور قمری سال ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے۔

شمسی سال جو کافی میں مذکور ہے ابرخس کی رصدگاہ کے مشاہدہ پر مبنی ہے۔ اب رصدگاہ ایلخانی کی روداد سنیے:

لأن السنة الشمسية ثلثمائة وخمس وستون يوماً وخمس ساعات وتسع وأربعون دقيقة على مقتضى الرصد إلا يلخانی والسنة القمرية ثلثمائة وأربعة وخمسون يوماً وثمان ساعات وثمان وأربعون دقيقة فيكون التفاوت بينهما عشرة أيام وإحدى وعشرين ساعة ودقيقة واحدة

(روح المعانی: سورۃ الکہف: ۲۵)

''شمسی سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۹ منٹ کا ہوتا ہے اور قمری سال ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ کا ہوتا ہے؛ اس لیے دونوں میں ۱۰؍دن ۲۱ گھنٹے ایک منٹ کا فرق ہوگا''۔

آپ مزید تفصیل شرح وقایہ کے حاشیہ میں مولانا عبدالحیؒ کے قلم سے پڑھ سکتے ہیں (شرح وقایہ: ۱۴۱/۲، حاشیہ نمبر ۶)۔ اس تفصیل سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ حساب قطعی نہیں؛ ورنہ علمائے ہیئت کا اختلاف نہ ہوتا۔ یہ مشاہدہ پر مبنی ہے، جس نے جیسا مطالعہ کیا اس نے ویسی ہی رائے دی۔

یہیں سے علامہ ابن تیمیہؒ کی یہ بات بھی بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ تولید قمر کا مسئلہ خود اصحاب ہیئت کے یہاں مختلف فیہ ہے، یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی جنتری کے حساب سے جس دن چاند کے ہونے کا یقین کیے بیٹھے ہیں، اس دن چاند ہو ہی جائے؛ اس لیے شریعت میں اس حساب کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس مسئلہ پر یہ ناکارہ ''الرضی شرح الترمذی'' میں مفصل گفتگو کرے گا، ان شاء اللہ تعالی۔

المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ

(ایک نظر میں)

یہ ادارہ فی الحال الامۃ ٹرسٹ کے تحت شعبہ تحقیق کے طور پر کام کرتا ہے۔ آئندہ وسائل ہونے پر تخصص کے شعبے بھی اسی کے تحت چلائے جائیں گے۔ اس ادارے کے پاس وسائل بہت کم ہیں، عاریت کے مکان میں لائبریری کا نظم کیا گیا ہے، ذاتی لائبریری، ایک کانفرنس ہال اور آئندہ تخصص فی الفقہ والافتاء اور تخصص فی علوم الحدیث کے لیے کم از چار درس گاہوں کی ضرورت ہے۔ ٹرست امت کے دردمند حضرات سے توجہ کا طلبگار ہے۔ اس کسمپرسی کے باوجود گذشتہ اوراق میں جن اہم فنی کتب ورسائل کا تذکرہ آیا ہے، سب اسی ادارے کے تحت تیار ہورہے ہیں۔

یہ ادارہ آپ کی خواہش کے مطابق علمی، فنی اور اصلاحی کتابوں کی طباعت ونشر اشاعت کا بھی کام انجام دیتا ہے۔ نیز اس ادارے کے تحت آپ عربی کتابوں کا ترجمہ وتلخیص اور تسہیل بھی کرواسکتے ہیں۔ معتمد علماء کے ہاتھوں یہ امور انجام پاتے ہیں۔

ہمارا پتہ: مکان نمبر ۱۱۔۳۔۱۵ فرسٹ فلور، بھارت گراؤنڈ، ملے پلی، حیدرآباد (پن کوڈ: ۵۰۰۰۰۱) فون نمبر: 9492042370 -9573795646

خلاصہ کتاب

اوزان

درہم: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکرو گرام (۳ گرام، ۶۱ ملی گرام، ۸۰۰ میکرو گرام)

دینار: چار گرام، تین سو چوہتر ملی گرام (۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام)۔

استار: انیس گرام، چھ سو تراسی ملی گرام (۱۹ گرام، ۶۸۳ ملی گرام)۔

نواۃ: پندرہ گرام، تین سو نو ملی گرام (۱۵ گرام، ۳۰۹ ملی گرام)۔

نش: اکسٹھ گرام، دو سو چھتیس ملی گرام (۶۱ گرام، ۲۳۶ ملی گرام)۔

اُوقیہ: ایک سو بائیس گرام، چار سو بہتر ملی گرام (۱۲۲ گرام، ۴۷۲ ملی گرام)۔

رطل: تین سو ترانوے گرام، چھ سو ساٹھ ملی گرام۔ (۳۹۳ گرام، ۶۶۰ ملی گرام)

من: سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)

قیراط: دو سو اٹھارہ ملی گرام، سات سو میکرو گرام (تقریبا: دو سو انیس ملی گرام)۔

دانق: پانچ سو دس ملی گرام، تین سو میکرو گرام (۵۱۰ ملی گرام، ۳۰۰ میکرو گرام)۔

ایک جو: تینتالیس ملی گرام، سات سو چالیس میکرو گرام (۴۳ ملی گرام، ۷۴۰ میکرو گرام)

قفلہ: دو گرام، سات سو ننانوے ملی گرام، تین سو ساٹھ میکرو گرام۔

قنطار: حقیقیت یہ ہے کہ قنطار سے مال کثیر مراد ہے، کوئی خاص مقدار مراد نہیں، اس لئے اس کا وزن معلوم کرنے کی حاجت نہیں۔

طسوج: اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ طسوج سجاوندی کے کلام میں آیا ہے اور سجاوندی نے حبہ کو دو جو کا مانا ہے اور بعد کے لوگوں نے حبہ کو حبہ شعیر مان کر حساب کر لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ شرعی حسابوں میں اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔

پیمانہ جات

مد: سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)۔

صاع: تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام (۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام)۔ نصف صاع: ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام (۱ کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام)۔

نوٹ: ائمہ ثلاثہ کا رطل صرف: دو سو تراسی گرام، چار سو پینتیس ملی گرام، دو سو میکرو گرام کا: اسلئے ان کا صاع صرف: ۱ کلو، پانچ سو گیارہ گرام، چھ سو باون ملی گرام، چار سو میکرو گرام ہے۔

مختوم (صاع): تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام۔

قسط (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام۔

کیلجہ (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام۔

مکوک وضو (ایک مد): سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)۔ مکوک عراقی (ڈیڑھ صاع): چار کلو، سات سو تئیس گرام، نو سو بیس ملی گرام (۴ کلو، ۷۲۳ گرام، ۹۲۰ ملی گرام)۔

فرق (تین صاع): نو کلو، چار سو سینتالیس گرام، آٹھ سو چالیس ملی گرام۔

قفیز عراقی (۱۲ صاع): ۳۷ کلو، ۷۹۱ گرام، ۳۶۰ ملی گرام۔

قفیز ہاشمی: ایک صاع۔

عرق: (تیس صاع) چورانوے کلو، چار سو اٹھہتر گرام، چار سو ملی گرام۔

وسق (ساٹھ صاع): ایک سو اٹھاسی کلو، نو سو چھپن گرام، آٹھ سو ملی گرام۔

قربہ (سو رطل حنفیہ کے رطل سے): انتالیس کلو، تین سو چھیاسٹھ گرام (۳۹ کلو، ۳۶۶ گرام) کا ہوگا۔ قربہ (سو رطل ائمہ ثلاثہ کے رطل سے): اٹھائیس کلو، تین سو تینتالیس گرام، پانچ سو بیس ملی گرام (۲۸ کلو، ۳۴۳ گرام، ۵۲۰ ملی گرام)۔

قلہ (دوسو پچاس رطل حنفیہ کے رطل سے): اٹھانوے کلو، چار سو پندرہ گرام (۹۸ کلو، ۴۱۵ گرام)۔ قلہ (دوسو پچاس رطل ائمہ ثلاثہ کے رطل سے): قلہ: ستر کلو، آٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام (۷۰ کلو، ۸۵۸ گرام، ۸۰۰ ملی گرام) کا ہوتا ہے۔

دو قلہ (ائمہ ثلاثہ کے رطل سے): ایک سو اکتالیس کلو، سات سو سترہ گرام، چھ سو ملی گرام (۱۴۱ کلو، ۷۱۷ گرام، ۶۰۰ ملی گرام)۔

کر (۷۲۰ صاع): (۲۲۶۷ کلو، ۴۸۱ گرام، ۶۰۰ ملی گرام)۔

قدح مصری: ۸۰۹ گرام، ۸۱۳ ملی گرام، ۷۸۶ میکروگرام (تقریباً)۔

مدی (ساڑھے بائیس صاع): ستر کلو، اُٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام۔

ویبہ: بارہ کلو، نو سو ستاون گرام، بیس ملی گرام، پانچ سو بہتر میکروگرام۔

اردب: ۷۷ کلو، ۷۴۲ گرام، ۱۲۳ ملی گرام، ۴۲۸ میکروگرام۔

نوٹ: اردب، قدح مصری، مدی، ویبہ، یہ سب شافعی پیمانے ہیں؛ اس لئے ان کو صاع شافعی کے مطابق لکھا گیا ہے۔

مساحت

ذراع کرباس: (نصف گز): چار سو ستاون ملی میٹر، دو سو میکرومیٹر (۴۵۷ ملی میٹر، ۲۰۰ میکرومیٹر) یعنی: تقریباً: چھیالیس (۴۶) سنٹی میٹر۔

ذراع مساحت انگریزی گز سے: ایک گز چھ انچ، فٹ سے ساڑھے تین فٹ، انچ سے بیالیس انچ ہے۔

باع: (دو گز انگریزی): ایک میٹر، آٹھ سو اٹھائیس ملی میٹر، آٹھ سو میکرومیٹر۔

باع: انچ سے بہتر (۷۲) انچ۔ باع: فٹ سے چھ فٹ۔

قدم (نصف ذراع): دو سو اٹھائیس ملی میٹر، چھ سو میکرومیٹر۔ قدم: انچ سے نو انچ۔

خطوہ: چھ سو پچاسی ملی میٹر، آٹھ سو میکرومیٹر۔ (تقریباً: انسٹھ (۶۹) سنٹی میٹر)۔ خطوہ:

انچ سے ستائیس (۲۷) انچ۔

اصبع: انیس ملی میٹر، پچاس میکرومیٹر (۱۹ ملی میٹر، ۵۰ میکرومیٹر)۔

شعیرۃ: تین ملی میٹر، ایک سو پچہتر میکرومیٹر (۳ ملی میٹر، ۱۷۵ میکرومیٹر)۔

شعرۃ (برذون کا بال) تقریباً: پانچ سو انتیس (۵۲۹) میکرومیٹر۔

قبضہ (چار انگل): بارہ ملی میٹر، سات سو میکرومیٹر (۱۲ ملی میٹر، ۷۰۰ میکرومیٹر)

غلوۃ (چار سو ذراع کرباس): ایک سو بیاسی میٹر، آٹھ سو اسی ملی میٹر۔

میل شرعی (چار ہزار ذراع): ۱ کلومیٹر، ۸۲۸، میٹر، ۸۰۰ ملی میٹر۔

میل شرعی شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک (چھ ہزار ذراع): دو کلومیٹر، سات سو تینتالیس میٹر، دو سو ملی میٹر۔

میل مالکیہ (ساڑھے تین ہزار ذراع، ایک ذراع چھتیس انگل کا): دو کلومیٹر، چار سو میٹر، تین سو ملی میٹر۔

فرسخ (تین میل شرعی): پانچ کلومیٹر، چار سو چھیاسی میٹر، چار سو ملی میٹر۔

مرحلہ: صحیح بات یہ ہے کہ مرحلہ کسی متعین مسافت کا نام نہیں، ایک دن میں متوسط رفتار سے جتنا چل سکتے ہوں، اسی کو مرحلہ کہتے ہیں۔

جریب: ساٹھ ذراع چوڑا، ساٹھ ذراع لمبا (یعنی تین ہزار مربع ذراع)۔ جریب: چوسٹھ میٹر، آٹھ ملی میٹر چوڑا، اور اتنا ہی لمبا۔ (یعنی تقریباً: چار ہزار ستانوے مربع میٹر)۔ فٹ سے: دو سو دس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا۔ انچ سے: دو ہزار، پانچ سو، بیس انچ لمبا اور اتنا ہی چوڑا۔

متفرقات

دہ دردہ حوض: چار(۴) میٹر، پانچ سو بہتر (۵۷۲) ملی میٹر لمبا اور اتنا ہی چوڑا۔

سترہ کی لمبائی: ایک ذراع کرباس۔

مسجد کبیر (چالیس ذراع): اٹھارہ (۱۸) میٹر، دوسو اٹھاسی (۲۸۸) ملی میٹر لمبی، اور فٹ سے ساٹھ فٹ؛ کیونکہ ایک ذراع دیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔

مسافت سفر: (تین دن کی پیدل مسافت): اس وقت ہمارے علماء کا فتوی یہ ہے کہ مسافت سفر ۴۸ میل انگریزی ہے، اور میل انگریزی ۱ کلومیٹر، ۶۰۹ میٹر، ۳۴۴ ملی میٹر کا ہوتا ہے، پس ۴۸ میل انگریزی: ۷۷ کلومیٹر، ۲۴۸ میٹر، ۵۱۲ میلی میٹر ہوگا۔

نصاب زکوۃ (۲۰۰ درہم): چھ سو بارہ (۶۱۲) گرام، تین سو ساٹھ (۳۶۰) ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت۔

سونے کا نصاب (۲۰ دینار): ستاسی (۸۷) گرام، چار سو اسی (۴۸۰) ملی گرام سونا۔

صدقہ فطر: (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام (۱ کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام) گندم یا اس کی قیمت۔

ایک نماز کا فدیہ: صدقہ فطر کی مقدار۔

ایک دن کی (۶) نمازوں کا فدیہ: نوکلو، ۴۴۷ گرام، ۸۴۰ ملی گرام گیہوں۔

ایک ہفتہ کی (۴۲) نمازوں کا فدیہ: ۶۶ کلو، ۱۳۴ گرام، ۸۸۰ ملی گرام گندم

ایک ماہ کی (۱۸۰) نمازوں کا فدیہ: ۲۸۳ کلو، ۴۳۵ گرام، ۲۰۰ ملی گرام گندم

ایک سال (۳۶۵ دن) کی (۲۱۹۰) نمازوں کا فدیہ: ۳۴۴۸ کلو، ۴۶۱ گرام،

۶۰۰ ملی گرام۔

ایک روزہ کا فدیہ: صدقہ فطر کی مقدار۔

تیس (۳۰) روزوں کا فدیہ: ۴۷ کلو، ۲۳۹ گرام، ۲۰۰ ملی گرام۔

کم از کم مہر شرعی (دس درہم): تیس (۳۰) گرام، چھ سو اٹھارہ (۶۱۸) ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت۔

مہر فاطمی (۵۰۰ درہم): ۱ کلو، پانچ سو تیس (۵۳۰) گرام، نو سو (۹۰۰) ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت۔

کام ابھی باقی ہے

بندہ نے لیٹر کا حساب چھوڑ دیا ہے، یہ کام ابھی کرنے والوں کے لیے باقی ہے، اہل عرب کی جو تحقیقات لیٹر سے متعلق سامنے آئی ہیں اس ناکارہ کو اس پر اطمینان نہیں۔ جسے از سر نو حساب کا ارادہ کرنے کا ارادہ ہو اسے چاہیے کہ صاع کا جو وزن بندہ نے لکھا ہے اس مقدار میں متوسط قسم کا گندم لے کر کسی ڈبے میں بھر دے، جس برتن میں وہ سما جائے اسے ایک صاع کا پیمانہ قرار دے کر اس میں پانی بھر دے، پھر اس پانی کو لیٹر کے رائج الوقت پیمانوں سے ناپ لے، وہی ایک صاع کا لیٹر ہوگا۔ باقی تمام اوزان اور پیمانے اسی صاع ہی کے لیٹروں سے سمجھ میں آجائیں گے۔ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے بھی صاع کو لیٹر سے بتانے کی کوشش کی ہے، وہ قابل اطمینان ہے، مگر ان کے نزدیک صاع ہمارے علمائے ہند کے صاع سے بہت متفاوت ہے؛ اس لیے ان کے حساب سے فائدہ اٹھانا دشوار ہے۔ فلعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

حرف آخریں

یہ جو کنج کاؤ کی گئی ہے، اور حسابات میں تدقیق سے کام لیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے ذرا کم وبیش کی اجازت نہیں، مگر ہاں! حساب میں تساہل برتنے سے اوزان کی

اصل حقیقت ہی مستور ہوجاتی ہے اور بڑے حسابات میں کافی فرق ہوجاتا ہے؛ اس لیے ملی میٹر اور میکرو میٹر تک کا حساب لکھا گیا ہے۔ الحمد للہ رسالہ مفتاح الاوزان مکمل ہوا۔

وما اردت الا الاصلاح ما استطعت، وما توفیقی الا باللہ

(ناکارہ خلائق)

عبد الرحمن قاسمی عظیم آبادی

استاذ: التخصص فی الفقہ والإفتاء

جامعہ دار العلوم الرحمانیہ، حیدر اباد

نگران عمومی الامۃ ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ

ناظم المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ

۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۳ھ

مؤلف کی دیگر کتابیں

خواتین کے مسائل اور ان کا حل

یہ کتاب مولانا محمد بن پیر علی برکلیؒ کی متن اور علامہ محمد بن عابدین شامیؒ کی شرح کی تسہیل ہے، اور خواتین کے مخصوص مسائل پر ایک جامع ترین کتاب ہے (مطبوع)

جدید فقہی مسائل کا حل

جدید مسائل پر کئی ایک کتابیں آچکی ہیں اور آتی رہیں گی، دراصل یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں کبھی بحث تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہونے والا؛ کیونکہ روز بروز اور نوع بنوع پیدا ہونے والے مسائل کی کوئی حد نہیں، اسے بھی حل کرنا ضروری ہے اور مبطلین اور ملحدین نے اجتہاد مقاصدی کے آڑ میں جو اپنا الو سادھا کیا، اور نادانوں نے سادہ لوحی سے اسے قبول کرنا شروع کردیا ہے، اس کا مداوا بھی ضروری ہے۔ یہ کتاب دونوں پہلوؤں سے جامع ہے، اور ایسے اصول وکلیات پر مشتمل ہے، جس سے نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک ''صراط مستقیم'' ہاتھ آجاتا ہے (مسودہ کی شکل میں ہے)۔

الرضی شرح الترمذی

علامہ ابن العربی مالکی کی شرح ''عارضۃ الاحوذی'' اور علامہ عبدالرحمن مبارکپوری کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' کے سوا کوئی مکمل شرح جامع ترمذی کی اس وقت بازار میں نہیں ہے۔ ''عارضۃ'' سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قوی العارضۃ ہو اور ''تحفۃ الاحوذی سے استفادہ کرنے کے لیے ''تریاق'' ہاتھ میں ہونا ضروری ہے؛ اس لیے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے ترمذی پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا تھا، مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا، وہ شرح مؤطا میں لگ گئے، ترمذی یوں ہی باقی رہ گئی، بازار میں اس کی کوئی باضابطہ کوئی شرح نہیں، جو کچھ ہے،

درسی تقریریں ہیں، جو طلبہ اور بہت سے اساتذہ کے لیے بھی ناکافی ہیں؛ اس لیے اس ناکارہ نے سیدی ومولائی وسندی حضرت مولانا وقاری عبدالستار صاحب وڈالی گجرات، خلیفہ وجانشین حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ کے حکم سے اور انہیں کی نگرانی میں قلم اٹھالیا ہے۔ کام شب وروز جاری ہے۔ اللہ سے اس کی تکمیل کی دعا فرمائیں۔ یہ شرح درج ذیل خطوط پر لکھی جارہی ہے:

۱ عبارت بااعراب
۲ مکمل ترجمہ
۳ تحقیق لغات
۴ اختلاف نسخ کی وضاحت
۵ بعض نسخوں میں چھوٹی ہوئی احادیث کا احاطہ
۶ اختلاف ائمہ کی پوری وضاحت ان کی اصل کتابوں سے
۷ دلائل پر بحث اصول فقہ کی روشنی میں، احترام سلف کی رعایت کے ساتھ
۸ رجال پر کلام، حفاظ حدیث کی خصوصی نشاندہی، متکلم فیہ روات پر خصوصی بحث
۹ سندوں کی مکمل تحقیق، نیز ضبط اسامی پر خصوصی توجہ
۱۰ علل ترمذی اور قال ابوعیسیٰ کی بھرپور وضاحت
۱۱ امام ترمذی نے احادیث پر جو احکام لگائے ہیں، ان کی توجیہ وتطبیق
۱۲ شروع میں ایک جامع اور بصیرت افروز مقدمہ

(مرکز علمی کے تحت کام جاری ہے، آپ سے نیک تمناؤں اور مقبول دعاؤں کی گذارش ہے)

اجتہاد، تقلید اور تلفیق

(مؤلف کا ایک خصوصی مقالہ)

اس موضوع پر اتنی تفصیل سے اردو میں کوئی کتاب نہیں، اس کا ایک حصہ قسط وار ''بحث نظر'' کے مجلہ میں شائع ہو کر علماء سے خراج تحسین بھی پا چکا ہے۔ حقیقت اجتہاد، شرائط اجتہاد، طریق اجتہاد، تحقیق مناط، تخریج مناط، تنقیح مناط، کار اجتہاد کی درجہ بندی اور اس کے لیے مطلوبہ شرائط، طبقات مجتہدین ائمہ اربعہ کی کتابوں سے۔

حقیقت تقلید، اس کے جواز وعدم جواز کا صحیح محمل، دلائل کا دقیق موازنہ، مقلدین کے طبقات، تقلید شخصی، انتقال مذہبی اور اس کی حقیقت، اس کا جواز یا عدم جواز، حقیقت تلفیق، تلفیق اور عدول مذہبی میں صحیح ربط، قائلین اور مانعین کے درمیان شاندار محاکمہ، امیر بادشاہ کے سوالوں کا حقیقت پسندانہ جواب۔ یہ مقالہ ان سب موضوعات کا احاطہ کرتا ہے اور تجدد پسندوں نے جو اس موضوع کے آڑ میں امت میں بے راہ روی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اس کا مداوا کرتا ہے۔ (غیر مطبوع)۔

مقتدی کی قراءت کتاب وسنت کی روشنی میں

حضرت گنگوہیؒ کا جو رسالہ ہے ''ہدایۃ المعتدی'' یہ اسی کی تخریج وتسہیل ہے۔ زین المحدثین حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ نے اسے حرفا حرفا سن کر خوب سراہا ہے اور انہیں کے پیش لفظ کے ساتھ مولانا عبداللہ معروفی استاد دارالعلوم دیوبند کے تعاون سے فیصل بکڈپو دیوبند سے یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔

مسئلہ تراویح کتاب سنت کی روشنی میں

سیدی وسندی واستاذی حضرت زین العابدین اعظمیؒ نے حضرت گنگوہی کے رسائل کی

تحقیق وتخریج کا حکم دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اس سے تمہیں اکابر کا فیض پہونچے گا، جبھی اس ناکارہ نے حضرت گنگوہی کے تمام رسائل کی تسہیل وتخریج کا پختہ عزم کرلیا تھا، یہ رسال بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور حضرت گنگوہیؒ کے دو رسائل کا مجموعہ ہے۔ کتاب تیار ہے، اس ناکارہ نے بہت سے لوگوں سے اس کی طبع کرنے کی درخواست کی، کسی نے بھی حامی نہیں بھری، **المرکز العلمی** نے بندے کی تمام کتابوں کی طباعت اور نشر اشاعت کا بیڑا اٹھایا، اللہ اس ادارے کے بانیوں اور کارکنان نیز معاونین کو اپنے امن امان میں رکھے اور ہر طرح کی خیر برکت سے نوازے۔ آمین!

مفتاح الاوزان

یہ وہی رسالہ ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے متعلق مقدمہ میں پڑھ چکے ہوں گے۔

مفتاح النحو (دو حصے)

آج کل علمی استعداد بہت کمزور ہورہی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ طلبہ عزیز ''علوم آلیہ'' نحو، صرف، منطق، اصول فقہ اور اصول حدیث وغیرہ کی اصطلاحات سے اچھی طرح واقفیت پیدا نہیں کرتے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر عمدۃ المتاخرین حضرت مولانا محمد مصطفی صاحب مفتاحیؒ نے کہا تھا کہ یہ ناکارہ اردو میں نحو کی ایک جامع کتاب ترتیب دے، جو نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ کے لیے بھی ضرورت کی چیز ہو۔ مفتاح النحو کے یہ دو حصے اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے لکھے گئے ہیں۔ دو حصے طباعت کے لیے تیار ہیں، جس نے بھی مسودہ دیکھا ہے پسند کیا ہے۔ خدا کرے مزید دو حصوں کی تکمیل بھی جلد از جلد ہوجائے۔ آمین! یہ کتاب مختصر مدتی عالم کورس کے مدارس کے لیے بھی بہت مفید ہے، اس میں نہایت لطیف انداز میں مختصر تمرینات بھی دی گئی ہیں۔ ان دو حصوں کو پڑھانے کے بعد فوراً ہدایۃ النحو شروع کرائی جاسکتی ہے۔

مفتاح الصرف (دو حصے)

اس کی تالیف مفتاح النحو کے طرز پر ہو رہی ہے، یہ دونوں حصے پڑھ کر طلبہ کے لیے افعال کی گردان، صیغوں کی پہچان اور ابواب کی معرفت مشکل نہیں رہے گی۔ اور علم الصیغہ ان کے لیے آسان ہو جائے گی (زیر تکمیل)۔

رمضان سے عید تک

رمضان، اعتکاف، زکوۃ اور عید الفطر کے مسائل پر بالکل سادہ زبان میں یہ کتابچہ لکھا گیا ہے، عوام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، دو بار طبع ہو چکا ہے، تیسری طباعت کا منتظر ہے۔ ارادہ ہے کہ اس میں کچھ اور ضروری مسائل کا اضافہ کر دیا جائے۔

مسائل قربانی

دار العلوم رحمانیہ میں تخصص فی الفقہ کے طلبہ کی تمرینِ فتاوی اس ناکارہ سے متعلق رہی ہے، گذشتہ سال قربانی کے بہت اہم مسائل زیر بحث آئے تھے، بندہ نے غنیمت سمجھ ان بحثوں کو اسی وقت قلمبند کر لیا تھا، تھوڑی محنت سے کتاب طباعت کے لائق ہو سکتی ہے۔

روٹی کپڑا اور مکان کا شرعی نظام اور خدائی انتظام

نان ونفقہ کے مسائل کو محض زوجہ محترمہ تک محدود سمجھ لیا گیا ہے، حالاں کہ شریعت نے نہ صرف انسان بلکہ جانوروں تک کے نان نفقہ کے ایک ایک جزئیہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، اس رسالہ میں اس کی پوری تفصیل ہوگی، ہمارا نان ونفقہ کس پر ہے اور ہم پر کس کا نان ونفقہ ہے، نیز یہ بھی بیان ہوگا کہ رزق کی وسعت کے کیا اسباب ہیں اور تنگی کے کیا اسباب ہیں۔ گویا یہ کتاب امت کی معاشی زبوں حالی کا مکمل علاج ہے (زیر تکمیل)۔

علمی تراشے

(حدیث، فقہ، اصول اور تصوف کے شہہ پارے)

تحقیق کی مثال ایسی ہے جیسے چونٹیوں کے منھ سے شکر لے لے کر مجمع عام کے لیے چائے بنانا، اس سے ظاہر ہے کہ تحقیق میں کس قدر ورق گردانی کی ضرورت ہوتی ہے، بندہ کو ہمیشہ سے تحقیق سے واسطہ رہا ہے، کبھی اساتذہ کرام کے لیے، کبھی طلبہ عزیز کے لیے۔ مختلف کتابوں کی ورق گردانی کے درمیان جو خاص باتیں اپنے ابواب اور مظان سے ہٹ کر آتی ہیں، یا اپنے ہی ابواب میں جو باتیں اصولی یا نادر قسم کی ہوتی ہیں ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ بندہ ان کو لکھ لیا کرتا ہے۔ اس طرح یہ کشکول تیار ہوگیا ہے۔ اگر یہ کتاب طبع ہوجائے تو بڑے کام کی چیز اہل علم کے ہاتھوں میں آجائے گی۔

(غیر مطبوع)۔

باطل فرقوں کا تعارف

علامہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی کی ذات اور ان کتاب ''الملل والنحل'' اہل علم کے لیے محتاج تعارف نہیں۔ ''الملل والنحل'' سے شاید ہی کوئی ذی علم مستغنی ہوگا۔ باطل فرقوں کا مختصر مگر جامع اور مستند تعارف اس کتاب کی بڑی خصوصیت ہے۔ اس کتاب کی جامعیت، افادیت اور مقبولیت کے پیش نظر ''کچھ اہل علم حضرات'' نے خواہش کی اردو زبان میں اس کی تلخیص وتسہیل کردی جائے تاکہ امت کا ہر طبقہ اس سے مستفید ہوسکے۔

''**المرکز العلمی**'' کے زیر نگرانی یہ کام زور وشور سے جاری ہے۔ بہت جلد یہ کتاب منظر عام پر آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

اشرف المدارس، مرغیہ ٹولہ، مشرقی چمپارن بہار

یہ مدرسہ بہت قدیم ہے، راقم سطور کی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ کی مرہون منت ہے اب یہ مدرسہ الامۃ ٹرسٹ کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ اس مدرسہ کا معاینہ کر کے حضرت اقدس مولانا وقاری عبدالستار صاحب وڈالی (شمالی گجرات) نے جو لکھا ہے، اسے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

بعد! عرض اینکہ آج بتاریخ ۲۴ رشعبان بروز بدھ مرغیہ ٹولہ، مشرقی چمپارن بستی میں جناب محترم ''**مفتی عبدالرحمن**'' صاحب زید مجدہ کی دعوت پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، اس بستی میں مدرسہ اشرف المدارس میں اس وقت ابتدائی دینی تعلیم نیز درجہ حفظ کی تعلیم کا نظم ہے، آئندہ تعلیم کو آگے بڑھانے کا عزم ہے، نیز ذمہ داران کا قصد ہے کہ اطراف وجوانب میں مکاتیب کا صحیح نظم کیا جائے۔

بستی کے علاوہ باہر کے طلبہ کا قیام وطعام کا نظم ہے، اہل بستی کے مالی احوال پختہ نہیں ہیں، جس سے مدرسہ کی ضروریات کا نظم مکمل نہیں ہوتا۔ مدرسہ امداد کا مستحق ہے، اہل خیر حضرات اگر توجہ فرمائیں گے تو امید ہے کہ مدرسہ کی تمام ضروریات مکمل ہوسکیں؛ اس لیے اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

اللہ تعالی اس مدرسہ کو ترقیات سے مالامال فرمائے اور مدرسہ کی جملہ ضروریات کا غیب سے نظم فرمائے۔ فقط والسلام (شرح دستخط)

(حضرت مولانا وقاری) عبدالستار (صاحب) اسلامپوری

استاذ حدیث جامعہ امدادالعلوم، وڈالی، ضلع سانبھر کانٹھا، شمالی گجرات

الامۃ ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدر آباد، الھند

یہ ٹرسٹ مفتی عزیز الرحمن صاحب فتحپوری، مفتی اعظم مہاراشٹر کی سرپرستی میں آج سے تین سال قبل قائم ہو کر رجسٹرڈ ہو چکا ہے۔

مقاصد و عزائم ۱) اکابر کے نہج پر زیادہ سے زیادہ مدارس قائم کرنا (۲) ائمہ مساجد کی تربیت اور مکاتب کا صحیح انتظام (۳) بنجر بستیوں میں دعوت و تبلیغ کے ذریعہ دینی ماحول برپا کرنا (۴) قادیانی اور باطل فرقوں سے علاقے کی مکمل تطہیر (۵) اکابر کی کتابوں اور رسائل کی تسہیل اور ان کی نشر و اشاعت (۶) اعلی تعلیم میں نوجوانوں کا تعاون (۷) بالغان کی دینی تعلیم و تربیت (۸) ذکر و دعا اور بیعت و ارشاد کے حلقے قائم کرنا (۹) مکمل پردے کے ساتھ میٹرنٹی ہوم (زچگی خانہ) کا نظم کرنا (۱۰) خواتین کی تعلیم و تربیت کا صحیح نظم کرنا (۱۱) خواتین کو خانگی تربیت دے کر موقع ضرورت کے لیے خود کفیل بنانا وغیرہ وغیرہ

مکرمی مفتی عبدالرحمن قاسمی صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مولانا قاسم سلمہ کے توسط سے موصول ہوا۔۔۔ اللہ آپ کے حوصلوں کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے اور ضروری وسائل سے بھی نصرت فرمائے۔ مولانا زین العابدین (اعظمی) صاحبؒ سے آپ کا جو تعلق ہے وہ بذات خود مستقل تعارف ہے۔ بجا طور یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حضرتؒ کا جو علمی مزاج تھا اور اس میں انہماک کی جو صفت ان کے اندر موجود تھی وہ لازمی طور پر آپ کی مشعل راہ بنے گی۔ تمام مقاصد پر بیک وقت کام دشوار ہوگا؛ اس لیے سر دست جو بھی ممکن ہو اسی سے کام کا آغاز فرمادیں۔ اخلاص بنیادی شرط ہے، اسباب و وسائل منجانب اللہ خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں اگر ان نیک مقاصد کی تکمیل میں میرا نام معاون بن سکے تو مجھے سرپرستی قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری جو مخلصانہ کوششیں ہو ان کو شرف قبولیت سے نوازیں اور شرور و فتن سے میری، آپ کی اور تمام امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ والسلام

عزیز الرحمن عفی عنہ ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ (مفتی اعظم مہاراشٹر، مرکزی دارالافتاء، مرکز المعارف، جوگیشوری، ممبئی)

المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ
(اکیڈمی آف ریسرچ اینڈ اسلامک اسٹڈیز)

یہ ادارہ فی الحال الامۃ ٹرسٹ کے شعبہ تحقیق و تالیف کے طور پر کام کرتا ہے۔ آئندہ تخصص کے شعبے بھی اسی کے تحت چلائے جائیں گے۔ اس ادارے کے پاس وسائل بہت کم ہیں، عاریت کے مکان میں لائبریری کا نظم کیا گیا ہے، ذاتی لائبریری، ایک کانفرنس ہال اور آئندہ تخصص فی الفقہ اور تخصص فی علوم الحدیث کے لیے کم از کم چار درس گاہوں کی ضرورت ہے۔ اس کسمپرسی کے باوجود گذشتہ اوراق میں جن کتب اور رسائل کا تذکرہ آیا ہے، سب اسی ادارے کے تحت تیار ہو رہے ہیں۔

المرکز العلمی علمی، فنی اور اصلاحی کتابوں کی طباعت و نشر و اشاعت کا بھی کام انجام دیتا ہے۔ اس ادارے کے تحت آپ عربی کتابوں کا ترجمہ بھی کرواسکتے ہیں۔ **ہم سے رابطہ کریں: 9573795646-9492042370**

abulqasimrabbani@gmail.com

Lu' Lu' Printers & Graphics Hyd. Cell 9848057810